بچوں کا اسلام

1099

ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

اتوار 23 صفر المظفر 1445ھ
مطابق 10 ستمبر 2023ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

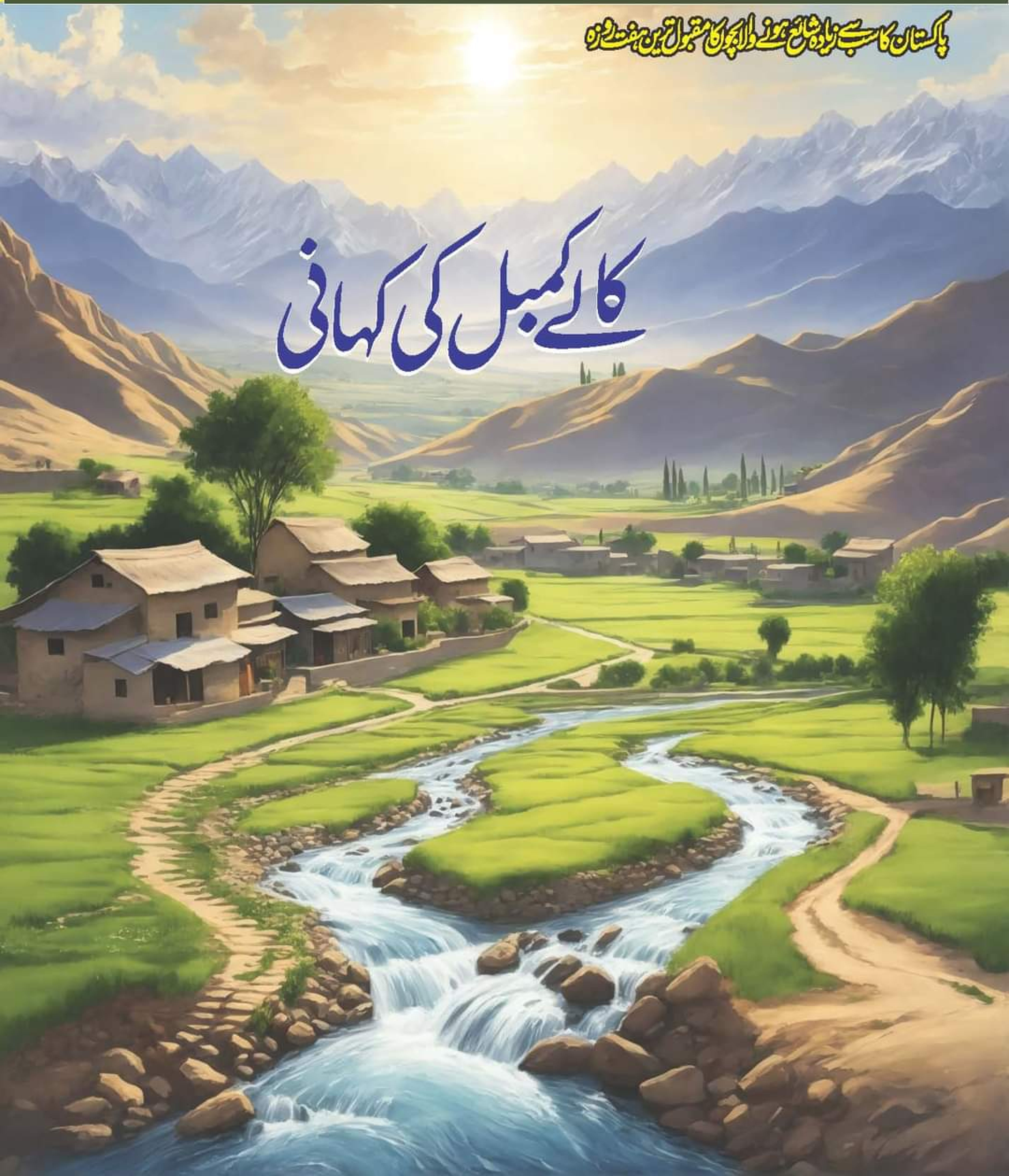

کالے کمبل کی کہانی

دانائی، شفقت اور پاکیزگی

القرآن

حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا:
پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دیجیے۔ فرمایا: نشانی یہ ہے کہ تم صحیح وسالم ہو کر تین رات دن لوگوں سے بات نہ کرسکو گے، پھر وہ عبادت کے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو اُن سے اشارے سے کہا کہ صبح وشام اللہ کو یاد کرتے رہو۔ اے یحییٰ! (ہماری) کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور ہم نے اُن کو لڑکپن ہی میں دانائی عطا فرمائی تھی۔ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی (دی تھی) اور وہ پرہیزگار تھے۔ (سورۂ مریم، آیات: 10 تا 13)

پاکدامنی کی دُعا

الحدیث

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دُعا مانگنے کا معمول تھا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیۤ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی۔
''اے اللہ! میں آپ سے ہدایت، تقویٰ، پاک دامنی اور غنٰی کا سوال کرتا ہوں۔'' (صحیح مسلم)

دین یا رسم

دستک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مسجد کے باہر نمازِ جنازہ کی صفیں بن رہی تھیں۔

ایک آدمی ہدایت کاری کے فرائض انجام دے رہا تھا:

''طاق صفیں بنایئے طاق۔''

تین صفیں بن چکی تھیں۔

وہ مطمئن نظر آنے لگا تھا کہ ناگاہ مسجد سے کچھ اور نمازی بھی باہر آ گئے اور چوتھی صف بننے لگی۔

وہ پھر مضطرب ہو گیا۔

زور زور سے بولنا اور ہاتھ کے اشارے کرنا شروع کیے، حتیٰ کہ چوتھی صف کو دو حصوں میں تقسیم ہونا پڑا۔

پانچویں صف بنی، تب جا کر وہ خاموش ہوا، اور گویا امام صاحب کو تکبیر کہنے کی اجازت ملی۔

سلام پھرا تو دیکھا کہ ''ہدایت کار'' صاحب ایک طرف کھڑے تھے۔ وہ نماز میں شامل نہیں ہوئے تھے، یقیناً اس سے قبل انھوں نے فرض نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔

سلام پھرتے ہی مگر وہ پھر سے متحرک ہو گیا۔

آخری دیدار کی رسم ہونے لگی تو وہ ایک بار پھر سب سے پیش پیش تھا اور زور زور سے ہدایات دے رہا تھا: ''دائیں طرف سے میت کے سرہانے آؤ اور گھوم کر بائیں طرف سے واپس جاؤ۔''

جنازہ اٹھا تو سب سے بلند آواز کلمہ شہادت کی بھی اسی کی تھی۔

یقیناً تدفین کے وقت بھی یہی صاحب اپنی ہدایات کے ساتھ سب سے زیادہ پیش پیش نظر آئیں گے، بلکہ اگلے کئی دن تک۔

جبکہ وہ میت کے قریبی رشتے دار بھی نہ ہوں گے۔

☆☆

شعور آنے کے بعد سے ہمارا یہ حیران کن مشاہدہ رہا ہے کہ عوام فرائض و واجبات اور سنتوں کو تو جانتے بھی نہ ہوں گے، اُن کی پابندی اور اہتمام تو دور کی بات، مگر بنام دین آباؤ اجداد کی روایات، علاقائی رسوم ورواج یا زیادہ سے زیادہ سنت عادیہ اور مستحب امور پر بے حد مستعد اور اُن کے بہت زیادہ پابند نظر آئیں گے، اتنے کہ کوئی عابد ذاکر بھی کیا اہتمام سے عبادت کرتا ہوگا۔

اور ایسا نہیں ہے کہ اِن رسوم ورواج اور بدعات میں فرائض کی بانسبت سہولت ہوگی، نہیں اُن میں نسبتاً سخت مشقت اور حرج ہوگا، جان، مال اور وقت لگے گا مگر وہ کریں گے۔

باریک باریک آداب کی رعایت پر تو وہ جان دیتے ہوں گے مگر احکامِ الٰہی کو جانتے بھی نہ ہوں گے۔

بہت ساری مثالیں ہیں جو آپ خود سوچیے، اصل مقصود بس یہ بات ہے کہ کوئی بھی عمل حکم الٰہی ہے یا رسم ورواج، اس کو جانچنے کا ایک ذوقی پیمانہ کہہ لیجیے، یہ بھی ہے کہ جہلا بنام دین کسی کام کی پابندی اتنے اہتمام سے کر رہے ہیں کہ بزرگانِ دین بھی کیا عبادات میں ایسا اہتمام کرتے ہوں گے تو جان لیجیے کہ وہ اکثر دین نہیں ہوگا بلکہ بدعت ہوگا......!

یاد رہے کہ مستحب امر بھی تب بدعت بن جاتا ہے جب اسے فرض کا اسٹیٹس دے دیا جائے اور نہ کرنے والے کو ملامت کی جائے۔

اور جی ہاں! اس سے شیطان کی محنت ثابت ہوتی ہے۔ شیطان رسوم ورواج کو اس طرح خوشنما یا ضروری بنا کر پیش کرتا ہے کہ ایک عام آدمی ان رسوم پر لاکھوں روپے خرچ کرنے پر تیار ہو جائے گا، مگر واجب قربانی، فرض زکوٰۃ اور حج پر خرچ کرتے ہوئے اس کی جان جائے گی۔ لوگ علاقائی، خاندانی رسوم ورواج اور بدعات پر عمل کرنے کے لیے تو دن بھر محنت مشقت کرلیں گے، رات بھر شبینہ کے لیے جاگ جائیں گے، طویل طویل اور انتہائی مشکل وظیفے پابندی سے کرلیں گے لیکن دس منٹ فرض نماز کے لیے نکالتے ہوئے انھیں سخت مشکل پیش آئے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو کر اپنے احکام پر خوشی خوشی عمل کرنے کی توفیق دیے رکھیں، آمین!

والسلام
محمد فیصل شہزاد

مُختصر پُر اثر

مستجاب الدعوات لوگ:

(۱) مسافر (۲) والدین (۳) مظلوم (۴) فرماں بردار لوگ (۵) منصف بادشاہ (۶) روزہ دار کی دعا (۷) بارش میں بھیگتا ہوا آدمی (۸) گناہوں پر نادم ہونے والے کی دعا (۹) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی دعا (۱۰) بیمار کی دعا (۱۱) مسلمان بھائی کے لیے غائبانہ دعا۔ (ترمذی)

امورِ غیر اختیاری:

حدیث میں لیلۃ التعریس کا قصہ مشہور ہے وہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار مع لشکر کے سفر میں تھے۔ رات کے آخری حصے میں ایک میدان میں قیام کیا۔ فجر کی نماز کے لیے جاگنے کا پورا پورا اہتمام کیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی ہے جو اس وقت بیدار رہ کر پہرہ دے تاکہ صبح کے وقت ہم کو اٹھائے؟''

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے لیے تیار ہوئے اور کجاوہ سے پشت لگا کر مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے کہ فجر ہو تو اذان دوں اور سب کو اٹھاؤں۔

خدا کی قدرت کہ سب تو سو ہی رہے تھے اُن کی بھی آنکھ لگ گئی اور ایسے بے خبر سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھلی تو لوگ گھبرا گئے اور پریشان ہوئے اور ڈر گئے کہ آج نماز قضا ہوگئی، خدا جانے کیا وبال آئے گا؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی دی اور فرمایا: ''گھبراؤ نہیں۔'' (سبحان اللہ!) پھر فرمایا: (لاتفریط فی النوم) ''سونے میں کچھ گناہ نہیں کیوں کہ غیر اختیاری بات ہے۔ (انما التفریط فی التیقظہ) گناہ تو بیداری کی حالت میں ہوتا ہے۔

اس کے بعد وہاں سے تھوڑی دور چل کر قضا نماز پڑھی۔

کیا ٹھکانا ہے اس شفقت کا! خدا کی حکمت و رحمت ہے کہ عمر بھر میں ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز بھی قضا ہوگئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ والے تو ایسا واقعہ پیش آنے سے مر ہی جاتے۔ حق تعالیٰ نے ایک مثال قائم کر دی کہ امام العارفین اور سلطان العابدین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی بات پیش آگئی تو باقی کیا چیز ہیں؟

اس لیے امرِ غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص تمام تدبیریں کر کے تہجد کی نیت سے سویا مگر اس کی آنکھ نہ کھلی تو اب یہ روتا اور پریشان ہوتا ہے۔ بے شک اس رونے پر نہ صرف اس کو اجر ملتا ہے بلکہ حدیث انما الاعمال بالنیات کی وجہ سے اس کو بغیر اٹھے تہجد کا ثواب بھی مل جاتا ہے لیکن جب کوئی شخص حد سے زیادہ پریشان ہو جائے یہاں تک کہ دوسرے دینی و دنیوی معمولات میں حرج ہونے لگے تو یہ کیفیت ٹھیک نہیں۔ اس لیے آدمی کو اپنی سی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ اختیاری اعمال میں کوئی کوتاہی نہ کرے اور اگر پھر بھی کامیابی نہ ہو تو اب معاملہ اختیار سے باہر ہے، اب اپنی دعاؤں کو بڑھانا چاہیے۔ [مرسلہ: فروہ احمد۔ کراچی]

پانچ چیزیں:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جن پر دوام اور استقلال سے اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں ایسی نیکیاں ملتی ہیں جیسے کہ اونچے اونچے پہاڑ اور ان کی وجہ سے رزق میں بھی وسعت ہوتی ہے:

(۱) صدقہ کی مداومت' تھوڑا ہو یا زیادہ۔ (۲) صلہ رحمی پر مداومت' قلیل ہو یا کثیر۔ (۳) اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ (۴) ہمیشہ باوضو رہنا۔ (۵) والدین کی فرماں برداری پر مداومت کرنا۔ (شہروز خان۔ امرتسر انڈیا)

وقتِ اجل:

زرکسیز شاہِ ایران اپنی بے شمار فوج کو دیکھ رہا تھا جب کہ وہ یونانیوں سے لڑنے کے لیے دریائے ہلی کو عبور کر رہی تھی۔ خوشی سے چہرہ ہشاش بشاش تھا کہ میں لاکھوں آدمیوں پر حکمران ہوں۔ مگر دفعتاً ایک خیال کے آتے ہی اس کا چہرہ بدل گیا اور بے اختیار اشکبار ہو گیا کہ چالیس پچاس سال کے اندر اندر ان آدمیوں میں سے کوئی بھی نہ رہے گا۔

فکر منزل ہوگئی ان کا گزرنا دیکھ کر
زندہ دل میں ہوگیا اوروں کا مرنا دیکھ کر

اللہ کے لیے:

حضرت مولانا حافظ محمد یعقوب رحمہ اللہ صدر مدرس دیوبند اپنے ایک شاگرد کو کسی بات پر سزا دے رہے تھے۔ اس نے کہا:

''اللہ کے لیے مجھے نہ ماریے۔''

آپ نے فرمایا: ''میں اللہ ہی کے لیے تو مار رہا ہوں۔''

[مرسلہ: زوجہ دلاور حسین۔ لاہور]

☆☆☆

اے اللہ!

رکوع سے اٹھنے کے بعد پڑھیے:

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ (صحیح مسلم)

(ترجمہ)

''اللہ نے سنی اس بندہ کی جس نے اس کی حمد کی اے اللہ، اے ہمارے رب!! تیرے ہی لیے ساری حمد و ستائش ہے، اتنی کہ جس سے زمین و آسمان کی وسعتیں بھر جائیں اور زمین و آسمان سے آگے جو سلسلۂ وجود تیری مشیت میں ہے اس کی بھی ساری وسعتیں بھر جائیں۔''

خط کتابت کا پتہ: دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد کراچی
bkislam4u@gmail.com
021 366 099 83

سالانہ زرِ تعاون: اندرونِ ملک 1500 روپے بیرونِ ملک ایک میگزین 22000 روپے دو میگزین 25000 روپے

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

1099

بچوں کا اسلام

خزانے کی چابی

شازیہ نور

گھر میں آم کی باتیں ہورہی تھیں۔ ابو بتا رہے تھے کہ آم کے جانے کا موسم آ گیا ہے اور اب وہ والا آم کم ہی مل رہا ہے جو سب مزے سے کھاتے ہیں۔

بس اُس کے اگلے دن سے چاند میاں آم کھانے کی ضد کر رہے تھے۔

''مجھے آم کھانا ہے، بس آم کھانا ہے۔''

چاند میاں مچل رہے تھے۔

''اچھا ٹھیک ہے چاند میاں! میں آپ کو آم منگوا دیتی ہوں مگر اب آم وہ والا نہیں آ رہا جو آپ کو پسند ہے۔'' امی نے چاند میاں کو سمجھانا چاہا۔

''کوئی بھی آم منگوا دیں، میرا بس آم کا دل چاہ رہا ہے۔'' چاند میاں لاڈ سے بولے۔

''امی میں لنگڑا آم لے آتا ہوں۔''

بھائی جان نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں نہیں مجھے لنگڑا آم نہیں چاہیے، دونوں ٹانگوں والا آم چاہیے۔''

چاند میاں زمین پر پاں مارتے ہوئے بولے۔

''مگر آم کی تو ٹانگیں ہی نہیں ہوتیں۔''

آپی مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولیں۔

ایک لمحے کے لیے چاند میاں ساکت ہو گئے۔

''ہاں تو پھر وہ لنگڑا کیسے ہو جاتا ہے؟'' چاند میاں نے سوال کیا۔

''یہ تو ہمیں بھی نہیں معلوم۔''

آپی معصوم سا منہ بنا کر بولیں۔

''لنگڑا چھوڑو کوئی اور سا آم لے آؤ بیٹا۔'' امی نے بھائی جان سے کہا۔

''امی! لنگڑے کے ساتھ یہ سلوک مناسب نہیں، اسے چھوڑا تو بے چارہ گر پڑے گا۔'' بھائی جان نے اِس انداز میں کہا کہ آپا کی ہنسی نکل گئی۔

''کیا ہوا آپ کو آپا......؟! بھائی جان ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں۔'' چاند میاں منہ بنا کر بولے۔

''تو پھر آپ لنگڑا کھانے کو تیار بھی تو نہیں۔''

آپا بولیں۔

''اچھا ایسا ہے تو میں گزارا کر لوں گا۔'' چاند میاں نے بھولپن سے کہا۔

''آہا...... چاند میاں نے لنگڑے آم کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔''

بھائی جان چہک کر بولے۔

''جی نہیں میں نے کسی کے آگے کچھ نہیں ڈالا، میرے تو ہاتھ خالی ہیں۔''

چاند میاں نے اپنے دونوں ہاتھ سامنے پھیلا کر کہا۔

''اچھا بس باتیں بند کرو اور جا کر چاند میاں کے لیے آم لے کر آؤ۔''

امی نے حکمیہ انداز میں کہا۔

''امی! کہاں بند کرنی ہیں باتیں۔''

چاند میاں نے منہ پر انگلی رکھ کر کہا۔

''منہ میں بند کرنا ہیں اور کہاں؟'' آپا نے کہا۔

''بھائی جان منہ میں باتیں رکھیں گے تو آم والے سے بولیں گے کیسے؟''

چاند میاں کو تشویش ہوئی۔

''جی امی جان! جاتا ہوں۔''

بھائی جان ادب سے بولے اور امی سے پیسے لے کر آم لینے چلے گئے۔

''دیکھا بھائی جان! کیسے بولے؟''

آپا نے چاند میاں کو مخاطب کر کے کہا۔

''بولنے کو دیکھتے نہیں ہیں سنتے ہیں آپا!''

چاند میاں نے آپا کو سمجھایا۔

اب چاند میاں کو بے چینی سے آم کا انتظار تھا۔

کچھ دیر بعد بھائی جان آئے تو اُن کے ہاتھ میں آم کا لفافہ تھا۔

''آہا...... اب آئے گا مزہ، اللہ میاں آپ کا شکر ہے۔'' چاند میاں خوشی سے اچھلتے ہوئے بولے۔

''چاند میاں! آپ تو ایسے خوش ہو رہے ہیں جیسے پہلی مرتبہ آم کھا رہے ہوں۔''

آپی نے چاند میاں کو چھیڑا۔

چاند میاں مسکراتے ہوئے آم کھاتے رہے اور ساتھ ساتھ کہتے رہے، اللہ میاں! آپ کا شکر ہے، اللہ میاں آپ کا شکر ہے۔

''شکر کرنا تو بہت اچھی بات ہے، مگر آج تو آپ بار بار شکر کر رہے ہیں، کوئی خاص بات ہے کیا؟''

بھائی جان نے چہک کر چاند میاں سے کہا۔

''خاص بات نہیں بھائی جان، آم بات ہے آم۔''

آپی نے آموں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

امی ہنس پڑیں اور بولیں: ”سب بچے آم کی گٹھلیاں اچھی طرح صاف کرنا۔“

ہنستے بولتے وہ سب آم کھا رہے تھے۔ کسی کو خبر ہی نہیں ہوئی کہ کب چاند میاں اٹھ کر چلے گئے۔

”ارے یہ چاند میاں کہاں گئے؟“ آپا نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

اتنے میں دیکھا تو چاند میاں ہاتھ میں آم کی گٹھلیاں پکڑے چلے آ رہے تھے۔

”کہاں چلے گئے تھے آپ آم کھاتے کھاتے؟“ آپی نے پوچھا۔

”آم کی گٹھلیاں صاف کرنے۔ امی جان نے کہا تھا نا کہ گٹھلیاں اچھی طرح صاف کرنا اس لیے میں دھو کر لے آیا ہوں، یہ دیکھیں کتنی صاف ہوگئی ہیں۔“

چاند میاں سب کو دکھانے لگے۔

”واہ امی کی بات ماننا تو کوئی چاند میاں سے سیکھے، کیا خوب صاف کی ہیں گٹھلیاں۔“

آپا نے سنجیدہ لہجہ بنا کر گٹھلیوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”شکر ہے اللہ میاں کا۔“ چاند میاں نے ایک بار پھر کہا۔

”واہ جی کیا بات ہے، آج تو خوب شکر ہو رہا ہے، خیریت تو ہے؟“

بھائی جان کچھ حیران سے ہو رہے تھے۔

”آپ بھی کیجیے شکر، یہ خزانے کی چابی ہے۔“

چاند میاں بڑے مدبرانہ انداز سے بولے۔

”خزانے کی چابی......؟“ آپا نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ”کون سا خزانہ......؟“

”شکر ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ ہمیں اور زیادہ دیتے ہیں، آج قاری صاحب نے بتایا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اگر تم شکر کرو گے تو میں اور زیادہ دوں گا۔ میں اسی لیے بار بار شکر کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آم دیں گے۔“

چاند میاں نے خزانے کا راز بتا دیا۔

”واہ...... سبحان اللہ! بھئی یہ تو واقعی پتے کی بات بتائی قاری صاحب نے۔“

امی جان نے چاند میاں کی حوصلہ افزائی کی۔

☆......☆

اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ رات کو ابو آم کی پوری پیٹی لے آئے۔

”لیں بیگم! آم سنبھالیں، میں نے سوچا کہ آم کے جانے کے دن ہیں چند دن اور کھالیں۔“ ابو نے آم کی پیٹی امی کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

”آہا...... دیکھا...... میں نے کہا تھا نا، شکر خزانے کی چابی ہے۔“

چاند میاں جھوم اُٹھے۔ اب تو سبھی ”اللہ آپ کا شکر ہے، اللہ آپ کا شکر ہے“ کی تکرار کرنے لگے۔

ابو حیرت بھری مسکراہٹ کے ساتھ سب بچوں کے ہشاش بشاش چہرے دیکھ کر شکر کرنے لگے:

”اللہ تعالیٰ تیرا شکر ہے......!“

صرف ایک منٹ میں!

ایک سال میں سوا پانچ لاکھ منٹ ہوتے ہیں اور یہ ایک منٹ وقت کی بہت معمولی مقدار ہے۔ کچھ بڑا کرنے اور ہونے کے لیے بہت کم وقت ہے، البتہ جب آپ پوری انسانیت کو ایک ساتھ جوڑتے ہیں تو ساٹھ لمحات کے اس چھوٹے سے منٹ میں اتنا کچھ ہوتا ہے کہ آپ حیران رہ جاتے ہیں۔ ہماری زمین پر زندگی کا ایک منٹ ناقابلِ یقین حد تک زندگی سے بھرا ہوا ہے۔

کیونکہ! آپ یہ مضمون پڑھ کر مکمل کریں گے تو اس ایک منٹ میں:

☆......ہم اپنے بستر پر لیٹے لیٹے کم و بیش ساڑھے ستائیس کلومیٹر سفر کرلیں گے۔ جی ہاں! ہماری زمین اپنے محور کے گرد ایک منٹ میں ساڑھے ستائیس کلومیٹر گھوم جائے گی۔

☆......اگر ہم صحت مند ہیں تو اٹھارہ بار سانس لیں گے، ہمارا دل ۷۲ مرتبہ دھڑکے گا اور ساڑھے چھے کلوگرام خون رگوں میں پمپ کرے گا، جس سے بدن میں خون ایک چکر مکمل کرلے گا۔

☆......پوری دنیا میں انسانی دل پانچ کھرب بار دھڑکیں گے۔

☆......۴۱۰ مکعب انچ ہوا اپنے پھیپھڑوں کے اندر لے جا کر باہر نکالیں گے اور اگر آپ جاگ رہے ہوں تو اس ایک منٹ میں بارہ مرتبہ پلکیں جھپکیں گے۔

☆......اس ایک منٹ میں ۶۰۰ شہابی پتھر آسمان سے گریں گے اور کرۂ ارض پر اڑتالیس طوفانی گرداب آئیں گے۔

☆......۱۰۵ افراد مر جائیں گے اور ۲۵۰ بچے پیدا ہوں گے۔

☆......عالمی ایئر ٹریفک ایسوسی ایشن کے مطابق دنیا بھر میں ۵۸ ہوائی جہاز اڑان بھریں گے۔

☆......۱۱۶ لوگ شادی کریں گے اور ۱۴۴ لوگ نئے گھر میں چلے جائیں گے۔

☆......فیس بک پر ڈھائی لاکھ تصاویر اپ لوڈ کی جائیں گی۔

☆......ورلڈ بینک کے مطابق پچیس لاکھ کلوگرام کچرا پیدا ہوجائے گا۔

☆......اس ایک منٹ میں تریسٹھ لاکھ کلوگرام کاربن ڈائی آکسائیڈ فوسل فیول جلانے کی وجہ سے فضا میں چھوڑ دی جائے گی۔

☆......روشنی ایک کروڑ اسی لاکھ (17960279.04) کلومیٹر سفر کرلے گی۔

☆......چھوٹے بڑے پانچ زلزلے آئیں گے۔

☆......پچپن ہزار بیرل تیل (پیٹرول و ڈیزل) استعمال ہوجائے گا۔

☆......زمین پر چھے ہزار (۶۰۰۰) بار آسمانی بجلی گرے گی۔

☆......بارہ سو کلوگرام پاپ کارن کھائے جائیں گے اور پچیس ہزار پیزا بنیں گے۔

☆......۱۳۵ گھوڑے پیدا ہوں گے۔

☆...... بین الاقوامی خلائی اسٹیشن زمین کے گرد اپنے مدار میں ۴۶۵ کلومیٹر کا سفر کرلے گا۔

☆......ہمارے اس نیلے سیارے زمین پر آٹھ سو چوبیس (824.5) ملین ٹن (پندرہ سو مکعب فٹ پر) بارش ہوگی، اور کم و بیش اتنا ہی یعنی نو سو ساٹھ ملین ٹن پانی بخارات بن کر فضا میں چلا جائے گا۔

☆......ہمنگ برڈ (ایک چھوٹا سا پرندہ) اڑتے ہوئے چار ہزار بار اپنے پر پھڑپھڑائے گا۔

☆......اٹھارہ سو ستارے پھٹ کر تباہ ہوجائیں گے۔

ویسے آپ ایک منٹ میں اس مضمون کو پڑھنے کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں؟

☆☆☆

احمد سدیس۔ کراچی

ٹرین سیٹی بجاتی حیدرآباد اسٹیشن سے روانہ ہو چکی تھی۔ میں چھٹیوں میں اپنے گھر کی طرف رواں دواں تھا۔ ٹرین میں بیٹھے بیٹھے میں اس مریض کے بارے میں سوچنے لگا تھا، جس نے میری سوچ کا زاویہ بدلا تھا۔

یہ آج سے دو ہفتے قبل کی بات ہے۔ میں اسپتال میں موجود کامن روم میں، جو میل نرسوں کے لیے متعین تھا، بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ ہی دیر میں مجھے دوسرے فلور پر جانا تھا، جہاں نئے مریض داخل ہوئے تھے۔

مجھے کچھ تھکن سی محسوس ہو رہی تھی۔ نرسنگ ایک بہت مشکل کام ہے۔ ہر مریض کا جائزہ لینا، اُس کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا۔ مختلف مزاجوں کے مریضوں کے ساتھ رہ رہ کر میری طبیعت میں خود بخود ایک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ ویسے بھی خوش اخلاقی کا مظاہرہ ہماری تربیت کا حصہ ہے۔

کچھ دیر بعد میں اٹھا اور نئے مریضوں کا جائزہ لینے کے لیے چل پڑا۔

سیڑھیاں ختم ہوتے ہی دائیں طرف ایک طویل راہداری آتی تھی، جس میں قطار در قطار کمرے تھے۔ میں کمرہ نمبر ۲۰۱ کی طرف بڑھا۔ یہ فرسٹ فلور کا سب سے پہلا کمرہ تھا۔

دروازہ کھلتے ہی سامنے بستر پر دراز ایک بزرگ پر میری نگاہ پڑی۔

اُن کے پاس ہی کرسی پر پریشان چہرہ لیے ایک نوجوان بیٹھا تھا۔

میں حسبِ معمول سلام کر کے اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اچانک ان بزرگ کی آواز مجھے سنائی دی۔

"اخبار ہی دے دو مجھے، اب یہ دیواریں ہی تکتا رہوں کیا میں؟"

کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ بزرگ میری طرف دیکھ رہے تھے۔

"بابا! آپ لیٹ جائیں، ابھی آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔"

نوجوان تیزی سے اُن کی جانب بڑھا۔

میں نے مسکرا کر ان کی جانب دیکھا اور انھیں بہلانے کے لیے بات چیت شروع کی۔

زبیر کے والد کو لاسٹ اسٹیج کا کینسر تھا، اُس کے باوجود میں نے محسوس کیا کہ ان کی طبیعت میں چڑچڑا پن نہیں بلکہ ایک بشاشت سی تھی۔

میں بات کرتے ہوئے ان کی دواؤں کا جائزہ لے رہا تھا اور ساتھ ساتھ ان کی فائل میں رپورٹ لکھ رہا تھا۔ میں جانتا تھا، وہ مجھے دیکھ رہے ہیں۔

فائل بند کر کے میں ان کی جانب متوجہ ہوا اور رسماً ان سے پوچھا:

"کسی چیز کی ضرورت تو نہیں انکل؟"

"ہاں بیٹا! مجھے آج کا اخبار لا دو، میں اخبار پڑھے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

اگلے ایک دو دنوں ہی میں مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ انھیں خبریں پڑھ کر ان پر تبصرہ کرنے کا بہت شوق ہے۔ اکثر وہ مجھے پچھلے وقتوں کے بارے میں بتاتے کہ اس وقت اور آج کے دور میں کیا فرق ہے؟

ایک ہفتے میں جب ہمارے درمیان بے تکلفی کافی بڑھ گئی تو ایک دن جب ان کے پاس صرف میں تھا، انھوں نے مجھ سے کہا:

"تمھیں پتا ہے بیٹا......!"

انھوں نے ایک لمبی سانس لی۔ اُس وقت اُن کے چہرے پر اداسی پھیلی ہوئی تھی۔

"یہاں اس بستر پر لیٹے ہوئے مجھے اپنے بستر پر لیٹے والد یاد آتے ہیں۔ ایسے ہی لاغر تھے وہ۔ ہمارے لیے اپنے ہاتھوں پر سجائے مشقت کے نشانات رقم کیے ہوئے۔ اس حالت میں، میں نے اُن کی بہت خدمت کی، بہت کچھ کیا، بس ایک چیز نہیں کر سکا۔"

سینے پر کمزوری سے کانپتے ہاتھ رکھے اُن کی آنکھوں سے ایک آنسو نکلا اور تکیے میں جذب ہو گیا۔

کمرے میں دواؤں کی مخصوص بُو پھیلی تھی۔ اُن کے دائیں ہاتھ میں ڈرپ لگی ہوئی تھی اور مشین کی ٹوں ٹوں اسپتال کے افسردہ ماحول میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔

"وقت گزر جاتا ہے، عمریں بیت جاتی ہیں۔ ہمارے ماں باپ بستر مرگ پر آ پہنچتے ہیں، ہم بہت کچھ خدمت ان کی کر لیتے ہیں، لیکن اُن سے محبت کا اعتراف نہیں کر پاتے۔ آج مجھے اس بستر پر لیٹے لیٹے بس اِس بات کا افسوس ہے کہ میں اپنے ماں باپ سے محبت کا اعتراف نہ کر سکا۔ میں اُن کے لیے بہت کچھ کر گیا لیکن جو ایک کام بہت ضروری تھا، وہی نہ کر سکا۔"

وہ بول رہے تھے کہ یکا یک منظر میری نگاہوں میں دھندلانے لگا۔

میں نے جلدی جلدی پلکیں جھپک کر آنکھوں میں ابھرتی نمی کو بمشکل پیچھے دھکیلا۔

دراصل یہ بات سن کر اچانک میرے ذہن میں اپنے والدین کے چہرے ابھرے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں اُمڈتی چمک مجھے دیکھ کر کتنی بڑھ جاتی تھی۔

''ہم سمجھتے ہیں، ماں باپ کے لیے ہماری خدمتیں کافی ہیں، لیکن بیٹا! اب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ انھیں اولاد کی طرف سے اظہارِ تشکر اور اظہارِ محبت کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جیسے...... جیسے اب...... مجھے محسوس ہوتی ہے......!''

وہ اب بے آواز رو رہے تھے۔

''یہ بات نہیں کہ میرا بیٹا...... مجھ سے محبت نہیں کرتا...... یا میں اپنے باپ سے نہیں کرتا تھا، لیکن، ہم سب خود کو ایک خول میں بند کر دیتے ہیں، ہم بہت کچھ بولتے ہیں، لیکن اپنے چاہنے والوں سے کھل کر اعترافِ محبت نہیں کر پاتے۔''

اُن کی آواز مدھم ہونے لگی تھی۔ آخری جملہ میں بمشکل ہی سن پایا تھا۔ وہ دواؤں کے زیرِ اثر تھے، جس کی وجہ سے اُن پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔

میں نے اُن کے سینے سے لگے ہاتھ کو آہستگی سے واپس اپنی جگہ رکھا اور کچھ سوچتے ہوئے کمرے سے باہر آ گیا۔

☆......☆

یہ شام کا وقت تھا۔ اسپتال میں روزمرہ کی طرح چہل پہل تھی۔ لوگ پریشان چہرہ لیے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ کینٹین کے پاس رکھی کرسیوں میں سے ایک پر میں اور زبیر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

درمیان میں رکھی میز پر چائے کے دو کپ تھے۔

جب سے زبیر کے والد کی طبیعت بگڑنے لگی تھی، اور وہ بے ہوش رہنے لگے تھے۔ میں اکثر فارغ وقت میں اُس کے ساتھ بیٹھ جایا کرتا تھا۔ اُس نے مجھے اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ والد کی خطرناک بیماری اسے بھی دن بدن کمزور کیے دے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانی اور والد کے کھو جانے کا خوف کوئی بھی بھانپ سکتا تھا۔ اس دن اس کے سامنے بیٹھ کر میں نے اسے اس بات کی طرف متوجہ کیا جو میں کب سے دل میں دبائے بیٹھا تھا۔

''زبیر! کیا تم نے کبھی اپنے والد سے محبت کا اعتراف کیا ہے؟''

میں اس کا جواب پہلے سے جانتا تھا، لیکن خاموش رہا۔

''اعتراف کی کیا ضرورت ہے؟ وہ جانتے ہیں کہ میں اُن سے محبت کرتا ہوں، یہ تو ایک واضح بات ہے۔ ہر اولاد کو ماں باپ سے محبت ہوتی ہے، میرا نہیں خیال کہ اس بات کو کہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''مجھے یقین ہے وہ یہ بات جانتے ہیں، لیکن بھائی!'' میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''تمھیں انھیں یہ بتانے کی ضرورت ہے۔ تمھیں انھیں بتانا ہے کہ اتنے سال تم اُن کے لیے کیا محسوس کرتے رہے ہو، تمھیں انھیں بتانا ہے کہ اتنے سال تم اُن کی موجودگی کو کیسے محسوس کرتے رہے ہو؟ اس بارے میں سوچنا ضرور۔''

ہم چائے پی کر دوسرے فلور پر آ گئے۔

زبیر اپنے والد کے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور میں دوسرے مریضوں کی طرف۔

اگلے ہی دن صبح سویرے مجھے زبیر کے والد کے انتقال کی خبر ملی۔ یہ خبر بالکل بھی غیر متوقع نہ تھی لیکن میرے دل کو ایک دھچکا لگا۔ میرا اُن کے ساتھ کوئی خونی رشتہ نہیں تھا، لیکن چند دنوں کے تعلق کی بنا پر مجھے شدید افسوس ہوا تھا۔ میں عجلت میں ہاسٹل سے نکل کر اسپتال کی طرف بھاگا۔

زبیر ان کے بستر کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ میرے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ میری طرف پلٹا اور میرے گلے لگ کر زار و قطار رونے لگا۔ شاید وہ میرے ہی انتظار میں تھا۔

اس کے دل کا غبار کچھ نکل گیا تو وہ مجھ سے الگ ہوا۔

چہرہ صاف کر کے اُس نے اپنی سرخ آنکھوں سے مجھے دیکھا، پھر بولا:

''میں نے آپ کی بات کے بارے میں بہت سوچا تھا، اور آج فجر کے بعد جب میں یہاں آیا تو میں نے ابو سے بہت سی باتیں کی، اپنے دل میں اُن کے لیے بچپن سے چھپائے جذبات آج میں نے ان کے سامنے کھول کر رکھ دیے۔ بھائی کاش آپ اُس وقت ان کے چہرے پر وہ مسکراہٹ دیکھتے، اُن کے چہرہ یوں چمک رہا تھا جیسے ان کی ساری بیماری ایک پل میں ختم ہو گئی ہو۔ ابو کی موت کا صدمہ اپنی جگہ لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں نے دیر نہیں کی۔ میں انھیں بتا پایا کہ مجھے اُن سے کتنی محبت ہے۔ بھائی! میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں کہ آپ ہی کی وجہ سے میرے ابو جاتے جاتے بہت خوش گئے ہیں۔''

وہ پھر میرے گلے لگ گیا۔

اور اِس بار اُس کے آنسوؤں کے ساتھ میرے آنسو بھی شامل تھے۔

میں نے زبیر کے والد کے پاس جا کر ان پر الوداعی نظریں ڈالیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ درحقیقت میں اُن کا شکر گزار تھا۔ انھوں نے مجھ پر جو احسان کیا تھا وہ میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ زبیر نے تو اپنا اعتراف کر لیا تھا، اب میری باری تھی۔ اب مجھے اپنے ماں باپ کے چہرے پر وہ خوشی دیکھنی تھی جو وہ دیکھ پایا تھا۔

میں نے حال میں واپس آتے ہوئے ٹرین کی کھڑکی سے باہر گزرتے مناظر پر ایک نگاہ ڈالی اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

بے شجر ویران ہو جاتا ہے شہر

اثرؔ جونپوری

چھانٹیے مت پیکرِ لذات کو
کاٹیے مت آم کے باغات کو
بے شجر ویران ہو جاتا ہے شہر
دیجیے دعوت نہ یوں آفات کو
رہیے چوکنا محافظ قوم کے
خطرہ ہے آموں کی تنصیبات کو
یوں نظر انداز مت کیجیے جناب
غور سے سنیے ہماری بات کو
کیجیے انجوائے کھا کر بیٹھو
گرمیوں میں موسمِ برسات کو
کیری سے جیسے بدل جاتا ہے آم
کیجیے تبدیل یوں حالات کو
آم کھا کر عاشقانِ حق اثرؔ
یاد کرتے ہیں خدا کی ذات کو

☆☆☆

کالے کمبل کی کہانی

طیبہ شاہد۔لاہور

چھے سالہ ہانی اور آٹھ سالہ مدثر دونوں بہن بھائی رات کو سونے سے پہلے ابا سے کوئی نہ کوئی کہانی ضرور سنتے تھے۔

ہر روز کی طرح آج بھی ہانی کہانی سننے کے لیے ابا کے ساتھ آ کر لیٹ گئی، لیکن اکثر ہانی کی سوئی کالے کمبل والی کہانی پر ہی اٹکی رہتی تھی۔

یہ کہانی اگرچہ ہانی کو ازبر ہو چکی تھی لیکن یہ کہانی ابا کی زبانی سننے کا مزہ ہی کچھ الگ تھا۔ وہ بچوں کے ساتھ خود بھی لوٹ پوٹ ہو کر ہنستے تھے۔

''ابو جی! سمیر بھائی جان والی اور فرحان بھائی جان والی کہانی سنائیں نا وہ کالے کمبل والی کہانی۔''

ہانی نے ابا کے دائیں بازو پر سر رکھ کر ساتھ لیٹتے ہوئے کہا۔ اسے لگتا تھا کہ شاید ابا نے وہ کہانی فرضی بنائی ہوئی تھی؟ جبکہ کہانی کے دونوں کردار ابا کے اپنے بھانجے اور بھتیجے ہی تھے۔

تو آئیے بچو! کہانی پڑھ کر دیکھتے ہیں کہ اس کہانی میں ایسا کیا تھا کہ ہانی اور مدثر ہر روز یہ کہانی پورے ذوق و شوق سے سنتے تھے۔

☆......☆

''بہت برس پہلے کی بات ہے۔ ایک گاؤں میں دو دوست رہتے تھے۔ ایک کا نام سمیر اور دوسرے کا فرحان تھا۔ دونوں کی عمر لگ بھگ پندرہ سولہ برس تھی۔ وہ دونوں آپس میں رشتے دار بھی تھے۔ دونوں بہترین دوست تھے۔ ایک ساتھ اسکول جانا، ایک ساتھ مسجد جانا، اکٹھے کھیلنا غرض یہ کہ وہ ہر کام ایک ساتھ کرتے تھے۔

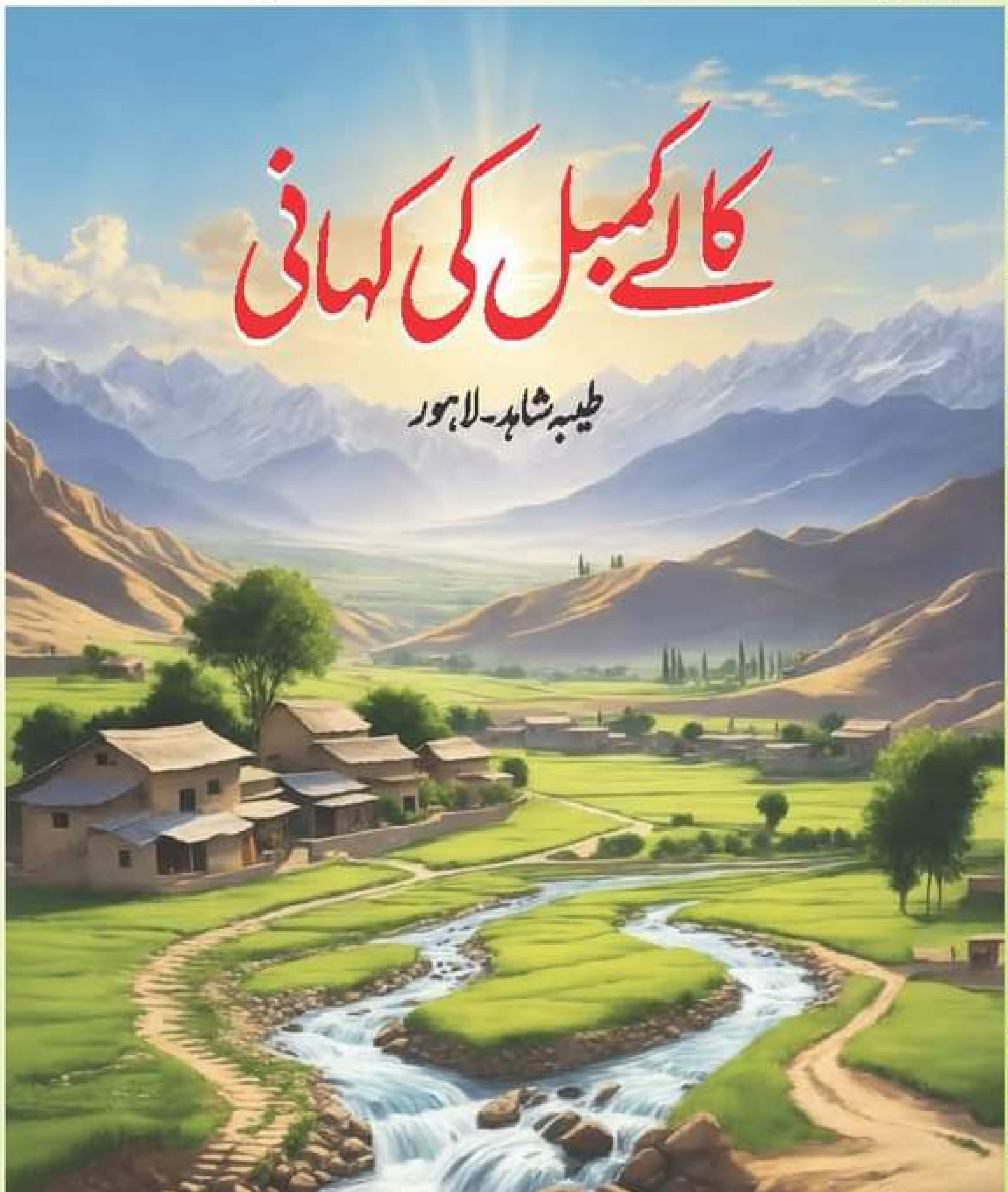

ایک دن جون کی ایک تپتی ہوئی گرم دوپہر میں جب گاؤں میں ہر طرف سناٹا تھا، دونوں دوست نہر میں نہا رہے تھے۔ کبھی تیراکی کرتے ہوئے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے تو کبھی ڈبکیاں لگا کر ایک دوسرے کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے۔

دونوں دوست نہر کے گہرے اور ٹھنڈے پانی سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ اسی اثنا میں سمیر نے دور ایک کالے رنگ کا کمبل پانی میں تیرتا ہوا دیکھا، جو پانی کے تیز بہاؤ کے ساتھ انھی کی طرف آ رہا تھا۔

''یار سمیر! ہمیں نہر میں نہاتے ہوئے کافی وقت ہو گیا ہے۔ میرے خیال میں اب ہمیں گھر چلنا چاہیے۔''

اسی وقت فرحان نے پانی سے سر باہر نکالتے ہوئے کہا۔

''فرحان! تم کنارے پر پہنچو، میں بھی بس تمھارے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔''

سمیر یہ کہہ کر تیرتا ہوا اس کمبل کی طرف جانے لگا، حالانکہ کمبل اسی کی طرف ہی آ رہا تھا لیکن اس کے دل میں لالچ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ فرحان کی نگاہ میں آنے سے پہلے وہ کمبل حاصل کر لے کہ کہیں فرحان اس پر قبضہ نہ کر لے، سو اسی لیے وہ بے خوف و خطر تیرتا ہوا جلدی جلدی کمبل کی طرف تیرنے لگا۔

اُدھر فرحان اس صورتِ حال سے بے خبر کنارے پر پہنچ چکا تھا۔

بالآخر سمیر کمبل کے پاس پہنچ گیا، مگر اس سے پہلے کہ سمیر کمبل پر جھپٹتا، کمبل سمیر ہی پر جھپٹ پڑا۔ کمبل اور سمیر گویا دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔

سمیر کمبل کو اپنی طرف کھینچتا جب کہ کمبل سمیر کو اپنی طرف کھینچتا۔

اُدھر فرحان کنارے پر کھڑا اب سمیر کو دیکھ رہا تھا، حیرت سے بولا:

''سمیر! یہ تم کیا کر رہے ہو یار! اور یہ کیا چیز ہے جسے تم کھینچ رہے ہو؟''

''یہ... یہ... کمبل... مم... مجھ سے پکڑا نہیں جا رہا۔''

سمیر پانی کی کلی اگلتے ہوئے سانس لیتے ہوئے بمشکل بول پایا۔

فرحان کو یہ بات شروع سے بہت بری لگتی تھی کہ کسی کی گمشدہ چیز یا کہیں سے ملنے والی کوئی لاوارث چیز اٹھا لے؟ وہ کبھی بھی ناجائز اور ناحق چیزوں پر اپنا قبضہ نہیں جماتا تھا۔

وہ ناگواری سے بولا:

''یار سمیر! کمبل کو چھوڑو اور نہر سے باہر نکلو، ہمیں دیر ہو رہی ہے، اب ہمیں گھر چلنا چاہیے۔''

اسی وقت اس کے کان میں سمیر کی آواز پڑی: ''بچاؤ، بچاؤ''

فرحان نے اب جو چونک کر اسے دیکھا تو سمیر کے ساتھ ایک بڑے سے کالے ریچھ کو بھی پانی کے بہاؤ میں اپنی طرف آتے دیکھا۔

منظر کچھ یوں تھا کہ سمیر نے ریچھ کو کمر سے دبوچ رکھا تھا، جبکہ ریچھ کے پنجوں میں سمیر کے کپڑے تھے۔

شاید نہر کے تیز بہاؤ اور گھبراہٹ کی وجہ سے ریچھ

اب تک سمیر پر قابو نہیں پا سکا تھا۔

دونوں نہر کے بہاؤ میں بہتے ہوئے اب اُس کے بالکل قریب آ گئے تھے۔

فرحان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً اُن کے قریب ہی نہر میں چھلانگ لگا دی۔ پانی کے بہاؤ نے اگلے ہی لمحے اسے اُن کے پاس پہنچا دیا۔

اس نے سمیر کو بچاتے ہوئے ریچھ کی پیٹھ پر ایک زوردار لات رسید کی۔

ریچھ زور سے چلایا مگر لات کے زور سے یہ ہوا کہ اس کے پنجوں سے سمیر کی کپڑے چھوٹ گئے۔

فرحان اپنے دوست کو بحفاظت ریچھ سے بچا کر کنارے لے آیا۔ ریچھ بہاؤ کے ساتھ آگے جا چکا تھا۔

”سمیر! تم نے کمبل کے لالچ میں غور تک نہیں کیا کہ یہ کیا ہے؟ کس کا ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟“

”شکریہ یار فرحان!“ سمیر کی سانس بہت بری طرح پھولی ہوئی تھی۔ خوف سے اس کی گھگھی بندھی ہوئی تھی۔ اس کا بدن کانپ رہا تھا۔ ”تم...... تم نے مجھے اس موذی سے بچا لیا...... میں...... میں لالچ میں آ گیا تھا یار!...... اسی لیے تمھیں بھی بے خبر رکھا تاکہ......“

سمیر شرمندگی سے بولتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ وہ اب تک ہانپ رہا تھا۔

”کالا ریچھ...... یا...... کالا کمبل؟...... ہاہاہاہا۔“

فرحان نے سمیر کے کندھے پر اپنی کہنی رکھی اور بھنویں اچکا کر چھیڑتے ہوئے کہا تو سمیر اس حالت میں بھی ہنس پڑا۔

پھر بچو! سمیر نے فرحان کا شکریہ ادا کیا، اور آئندہ ہر لاوارث، ناجائز، گمشدہ اور ناحق چیزوں سے بچنے اور لالچ نہ کرنے کا عہد کیا اور دونوں دوست ہنستے اور قہقہے لگاتے ہوئے گھر کی طرف چل پڑے۔

تو لو بچو! کالے کمبل والی کہانی ختم شد!“

ابا نے ہنستے ہوئے کہا تو دونوں بچے بھی ہنسنے لگے۔

”اس کہانی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟“

ابا نے ہر بار کی طرح بچوں سے وہی سوال پوچھا۔

”یہ کہ ہمیں کبھی بھی کسی چیز کا لالچ نہیں کرنا چاہیے، ہو سکتا ہے وہ چیز ہمارے لیے خطرناک ہو۔“ دونوں ایک زبان ہو کر جواب دیا۔

”اور یہ کہ اگر گمشدہ یا لاوارث چیز ہم مالک تک نہ پہنچا سکیں تو بھی وہ چیز ہماری ملکیت نہیں ہو سکتی، ہمیں پھر اپنے بڑوں کے حوالے کر دینا چاہیے یا پھر علاقے کے کسی معتبر شخص کو اس کے متعلق بتا دیا جائے تاکہ وہ اس چیز کو بحفاظت مالک تک پہنچا سکے۔“

ابا نے بات مکمل کر دی۔

”جی ہاں!“

ہانی اور مدثر نے ایک ساتھ کہا، پھر دونوں اپنے اپنے بستر پر سونے کے لیے چلے گئے۔

اللہ جی کے پاس گئی ہیں!

احمد بن نذر

جب میں بالکل چھوٹا سا تھا تو
ماں نے اک دن مجھ کو پکارا
پیارے بیٹے! آ جا تجھ کو
نام ترا میں لکھنا سکھاؤں
ہاتھ میں میرے پین تھما کر
پیار سے میرا ہاتھ پکڑ کر
مجھ سے میرا نام لکھایا
یوں ہی روز کی کوشش سے پھر
مجھ کو کچھ کچھ لکھنا آیا
رفتہ رفتہ سیکھ گیا میں
ٹھیک سے اپنے نام کو لکھنا
لیکن پھر بھی بس اک خامی
جانے کیسے رہ جاتی تھی
احمد جب بھی لکھتا تھا میں
دال سے پہلے میم کو اکثر
لکھنے سے میں رہ جاتا تھا
اک مدت اب بیت گئی ہے
لکھنا بھی میں سیکھ گیا ہوں
میم کو اس میں شامل کر کے
نام مکمل لکھ لیتا ہوں
سوچ رہا تھا اک دن میں یہ
نام کو لکھ کر اپنے خود سے
پھر سے دکھاؤں امی جی کو
لیکن وہ تو یہاں نہیں ہیں
اللہ جی کے پاس گئی ہیں!

☆☆☆

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسکراہٹیں

عزنین شازم - وہاڑی

عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کسی اور شخص کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سواری کا ایک جانور مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ اس شخص نے عرض کیا: ”آقا میں اونٹنی کا بچے کا کیا کروں گا؟“
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
”اونٹ کو اونٹنی ہی تو جنتی ہے۔“ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے۔ میرے پاس ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟
میں نے عرض کیا میری رشتے کی ایک خالہ ہیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ مزاح کے فرمایا:
لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَجُوْزٌ
”جنت میں کوئی بڑھیا نہ جائے گی۔“
یہ سن کر وہ بے چاری سخت غمگین ہوئی اور رونے لگی تو آپ نے اس کو تسلی دی اور اپنی بات کی حقیقت یہ بیان فرمائی کہ جس وقت یہ جنت میں جائے گی تو بوڑھی نہ ہوگی بلکہ جوان ہو کر داخل ہوگی۔ (بیہقی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے دو کانوں والے! (ابوداؤد)

وضاحت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کو دو کانوں والے کے ذریعے مخاطب فرمایا۔ اس میں خوش طبعی تھی اور ان کی تعریف و توصیف کا اظہار بھی مقصود تھا کہ تم نہایت فہیم و ذکی ہو، تم سے جو بات کہی جاتی ہے اس کو تم اچھی طرح سنتے ہو۔

☆☆☆

(خصوصی طور پر بچوں کا اسلام کے نوعمر قارئین کے لیے سہل اور عام فہم انداز میں تلخیص کیا گیا!)

73

میر حجاز

اختر حسین عزمی

عمر بن خطاب ستائیس سال کے نوجوان تھے جب پیغمبر اسلام نے صدائے توحید و رسالت بلند کی۔ انھوں نے اپنے خاندان بنو عدی کے بھائیوں اور کچھ رشتے داروں کو اسلام کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرتے دیکھا تھا۔

مہاجرین حبشہ کو واپس لانے کے لیے قریش نے جو سفارت بھیجی، اس کی ناکامی اور چند دن قبل مکہ کے بہادر پہلوان حمزہ کے قبول اسلام نے مشرکین قریش کے پندار نفس پر کاری ضرب لگائی تھی۔ مشتعل قریش نے ایک اجتماع عام منعقد کیا جس میں ابو الحکم عمرو بن ہشام نے اعلان کیا:

''جو شخص پیغمبر اسلام کو (معاذ اللہ☆) قتل کرے گا میں اسے سو سرخ اُونٹ اور چالیس ہزار درہم نقد بطور انعام دوں گا؟''

تینتیس چونتیس سالہ عمر بن خطاب بھی اس اجتماع میں موجود تھے۔ انھیں انعام کا لالچ تو نہیں تھا لیکن وہ اس کام کو اپنے آبائی دین کی خدمت کا فریضہ سمجھتے تھے۔

عمرو بن ہشام کی اشتعال انگیز تقریر سن کر انھوں نے پُرجوش انداز میں اس کام کی انجام دہی کا اعلان کر دیا۔

کفار عمر کے اس عزم کو دیکھ کر بڑے خوش تھے کہ عمر اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے بغیر واپس آنے کے عادی نہیں۔

اگلے دن عمر بن خطاب ننگی تلوار لیے دار ارقم کی جانب نکلے۔ چہرے کے خوفناک تیور اور ہاتھ میں ننگی تلوار لیے عمر کو دیکھ کر کوئی ان سے بات کرنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا لیکن اسی دوران میں راستے میں خود عمر کے خاندان بنو عدی کے نعیم بن عبداللہ النحام سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن انھوں نے خاندان بنو عدی کے خوف سے اپنا اسلام ابھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ انھوں نے عمر کے تیور دیکھ کر ان کا مقصد پوچھا اور پھر علم ہونے پر انھیں مختلف اندیشے بیان کر کے خبردار کیا۔

عمر بن خطاب نے جواب دیا:

''مجھے کسی کا خوف نہیں! کہیں تم بھی بے دین تو نہیں ہو گئے ہو؟''

''تمھیں دوسروں کے بے دین ہونے کی بڑی فکر ہے۔ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لے لو۔ تمھاری بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ بن زید بھی تو مسلمان ہو چکے ہیں۔''

عمر کے لیے یہ طعنہ ایسا تھا جس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ انھوں نے رخ بدل لیا اور تلملائے ہوئے اپنے بہنوئی کے گھر کی طرف چل پڑے۔

☆☆

فاطمہ بنت خطاب اور اس کے شوہر سعید بن زید اپنے گھر میں دروازہ بند کیے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ان کے پاس وہ صحیفہ تھا جس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔

عمر دروازے پر پہنچے تو انھیں اندر سے تلاوت کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

''کون؟''

''عمر''

عمر کا نام سنتے ہی سعید نے جلدی جلدی حضرت خبابؓ بن ارت کو مکان کے پچھلے حصے میں چھپا دیا۔

فاطمہ نے صحیفہ قرآن کو چھپا لیا اور سعید نے دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی عمر ایک طوفان کی طرح گھر میں داخل ہوئے اور گرج دار آواز میں دھاڑے: ''یہ کیسی آواز تھی جو میں ابھی سن رہا تھا۔''

''ایسا تو کچھ بھی نہیں۔ بس ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔''

''میں نے خود اپنے کانوں سے آواز سنی ہے۔'' عمر غرائے، آگے بڑھے اور اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زید کو زمین پر گرا کر بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔

بیوی سے اپنے شوہر کی پٹائی دیکھی نہ گئی، شوہر کو بچانے کے لئے آگے بڑھی تو عمر کی ہاتھا پائی سے اتنی چوٹ لگی کہ سر اور چہرہ زخمی ہو گیا۔

عمر کی زخمی بہن اپنے شوہر کے لئے آڑ بن کر کھڑی ہو گئی اور پھر بہن کے خون آلود ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور غیرت ایمانی سے لبریز زلزلہ انگیز گرج بلند ہوئی:

''اے عمر! تیرے دین کی بجائے دوسرا ہی دین برحق ہو تو.....؟

اَشهدُ اَن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه و اَشهدُ اَنَّ مُحمّدًا رَّسُولُ اللّٰه۔

اے عمر! جو تم سے بن آئے کر گزرو۔ خدا کی قسم! اب دین حق دل سے نہیں نکل سکتا۔ اب ہمارا خاتمہ دین محمدؐ ہی پر ہو گا۔''

جسمانی طور پر نڈھال اور لہولہان بہن طاقتور بھائی کے سامنے پورے عزم کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہی بہن جو چند لمحے قبل عمر کے خوف سے سچ نہ ظاہر کرنے میں عافیت سمجھ رہی تھی، اب عزم کی چٹان بنی ہوئی تھیں۔

اب عمر رک گئے۔ کن انکھیوں سے بہن کے چہرے پر دوبارہ نظر ڈالی۔ ان کی مردانگی بہن کی استقامت کے سامنے شرمندہ شرمندہ سی دکھائی دے رہی تھی۔

ایک عورت اور وہ بھی بہن...... ایک پیکر جذبات، جسم زخمی، کپڑے خون آلود، آنکھوں میں آنسو، زبان پر پُرعزم بول۔

بہن کے چہرے پر خون اور ایمان کے جلال سے سرخ دیکھ کر عمر کا غصہ ندامت میں تبدیل ہو رہا تھا۔ ان کی آنکھوں کی نمی بتا رہی تھی کہ سینے کی تمام چٹانیں پگھل رہی ہیں۔

پھول کی پتی نے ہیرے کا جگر چیر کر رکھ دیا تھا۔

''فاطمہ...... میری بہن!'' جذبات سے مغلوب لہجے میں عمر نے فریاد کی: ''مجھے بھی وہ چیز دکھاؤ جسے تم لوگ پڑھ رہے تھے۔''

''مجھے ڈر ہے کہ وہ تمھارے ہاتھ لگ گیا تو تم اس کی بے حرمتی کرو گے۔''

بہن نے کہا۔

''مجھے قسم ہے کہ میں اسے پڑھ کر واپس کر دوں گا۔''

''یہ صحیفہ جس میں کلام الٰہی درج ہے، اسے صرف پاک آدمی ہی چھو سکتے ہیں جب تک تم غسل کر کے پاک نہیں ہو جاتے صحیفہ تمھیں نہیں دیا جا سکتا۔''

اب بات منوانے کا حق بہن کی طرف منتقل ہو چکا تھا۔

حضرت عمر اٹھے، غسل کیا، صحیفہ ہاتھوں میں لیا اور سورہ طٰہٰ پڑھنا شروع کی۔

قرآن کے ایک ایک لفظ پر انھیں اپنے دل کی دھڑکن سنائی دے رہی تھی۔ جب انھوں نے:

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ: ۲۰)

تک قرأت کی تو بے اختیار رونے لگے، حتیٰ کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، پھر بولے: ''کیا ہی عمدہ اور محترم کلام ہے۔ مجھے محمدؐ کا پتا بتاؤ۔''

عمر کا یہ جملہ سن کر خباب ؓ بن ارت اندر سے باہر آ گئے اور کہنے لگے:

''اے عمر! تمھارے لیے خوش خبری ہے۔ رسول اللہؐ نے کل ہی دعا مانگی تھی کہ الٰہی عمرو بن ہشام اور عمر بن خطاب میں سے جس کو تو چاہتا ہے اسلام میں داخل فرما!''

حضرت خباب ؓ بن ارت نے بتایا کہ اس وقت پیغمبرؐ اسلام دار ارقم میں اپنے چند اصحاب کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں۔

یہ سن کر عمر بن خطاب تلوار کمر سے باندھے دارِ ارقم کی طرف روانہ ہو گئے۔ عمر ایک بار پھر اسی کوچہ رسالت کی طرف چلے جا رہے تھے جدھر کچھ دیر پہلے جا رہے تھے لیکن اس وقت اسلام کے چراغ کو بجھانے کے ارادے سے اور اب اس چراغ میں اپنے خونِ جگر کا تیل ڈالنے کے عزم سے جا رہے تھے۔ (جاری ہے)

لفظوں کا دلچسپ سفر

☆ **خُرفہ:** مشہور ساگ ہے۔ ہندی زبان میں اسے ''پُرپھَن'' کہتے ہیں۔ ''پُرپھَن'' جب عربی میں پہنچا تو عربی کا چولا اوڑھ کر ''فرفخ'' بن گیا۔ مراد وہی خرفہ کا ساگ ہی ہے۔

☆ **کوڑی:** کوئی زمانہ تھا کہ ''کوڑیاں'' سکہ رائج الوقت تھیں۔ جس کے پاس کوڑیاں ہوتیں، وہ دولت مند سمجھا جاتا، پھر کوڑیوں کی حیثیت اس طرح خاک میں ملی کہ انتہائی حقیر انسان کو ''دو کوڑی کا'' اور بے حد سستی ملنے والی شے کو ''کوڑیوں کے مول ملنے والی شے'' کہا جانے لگا۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ''کوڑی'' دراصل ایک بحری جانور کا ''دولت کدہ'' یعنی مکان ہوتی ہے۔ انگریزی میں اسے (کاؤری) COWRV یا COWRIE کہا جاتا ہے۔

☆ **اُقلیدس:** یونانی زبان کا لفظ ہے۔ یہ ''اُقلی'' اور ''دِس'' کا مجموعہ ہے ''اُقلی'' کا مطلب ہے ''چابی'' اور ''دِس'' سے مراد ہے علوم ہندسہ یعنی جیومیٹری۔ گویا ''اُقلیدس'' کا مطلب ہوا علوم ہندسہ کی چابی (کی تو جیومیٹری) یونانی زبان سے یہ علم عربی میں منتقل ہوا تو چابی کے لیے لفظ ''اُقلید'' بنا لیا گیا۔ یہی لفظ فارسی میں پہنچا تو ''کلید'' بن گیا جس سے ہم بخوبی واقف ہیں اور ''کلید کامیابی'' اور ''کلیدی عہدے'' تلاش کرنے کی اکثر کوشش کرتے رہتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ''اقلید'' کے لفظ نے عربی میں پہنچ کر ''مقلید'' کو بھی جنم دیا جس کی جمع بنی ''مقالید''۔ اس لفظ کو قرآن پاک میں بھی استعمال کیا گیا:

قرآن پاک میں ہے: ''زمین اور آسمانوں کی چابیاں اللہ ہی کی ہیں۔''

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے۔ عربی کے قاعدے کے مطابق ''مقلید'' میں ''میم'' کسی آلے کی علامت ہے۔ چابی ایک آلہ ہے، جس سے تالا کھلتا ہے۔

☆ **بیہہ:** ایک ننھا سا پرندہ۔ اسے بیا اور بایا بھی کہتے ہیں۔ یہ اپنا گھونسلہ نہایت سلیقہ مندی سے تیار کرتا ہے اور اس کے تانے بانے بے حد مضبوط رکھتا ہے اس لیے اسے ''جولاہا'' بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں جولاہے کو ''نساج'' بھی کہتے ہیں۔ یعنی تانا بانا بننے والا، چونکہ اس پرندے کا گھونسلہ لٹکا ہوا ہے، اس لیے اس پرندے کو ''منوط'' کا نام بھی دے دیا گیا ہے یعنی ''لٹکانے والا''۔ اس کے گھونسلے کو فارسی میں ''سُبو'' کہتے ہیں، یعنی ''صراحی'' کیونکہ یہ دور سے ننھی سی صراحی کی طرح نظر آتا ہے۔ سنسکرت میں ''بیا'' کو ''بربرا'' اور بنگالی میں ''بابوئی'' کہتے ہیں۔

(بحوالہ: ''لفظوں کا دلچسپ سفر''۔ ڈاکٹر ایس اے ہاشمی۔ انتخاب محمد یاسر۔ کراچی)

☆☆☆

جواہرات سے قیمتی

☆......جو منانے سے بھی نہ مانے وہ شیطان کو خوش کر رہا ہے۔

☆......دنیا کی محبت برائی کی جڑ ہے۔

☆......اس کا ایمان کامل ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

☆......دین خزانہ ہے اور علم اس کا راستہ۔

☆......زیادہ گفتگو سوچ و فکر کو مردہ کر دیتی ہے۔

☆......پوری کائنات میں ہمارے رہنے کی واحد جگہ زمین ہے اس کی قدر کریں۔

☆......سچ بولنا بہادری کا شیوا ہے۔

☆......ایسی خوشی سے بچو جو کسی کو دکھ دینے سے ملے۔

☆......مطالعہ غم اور اداسی کا بہترین علاج ہے۔

(انتخاب: عاتکہ وسیم۔ ٹیکسلا)

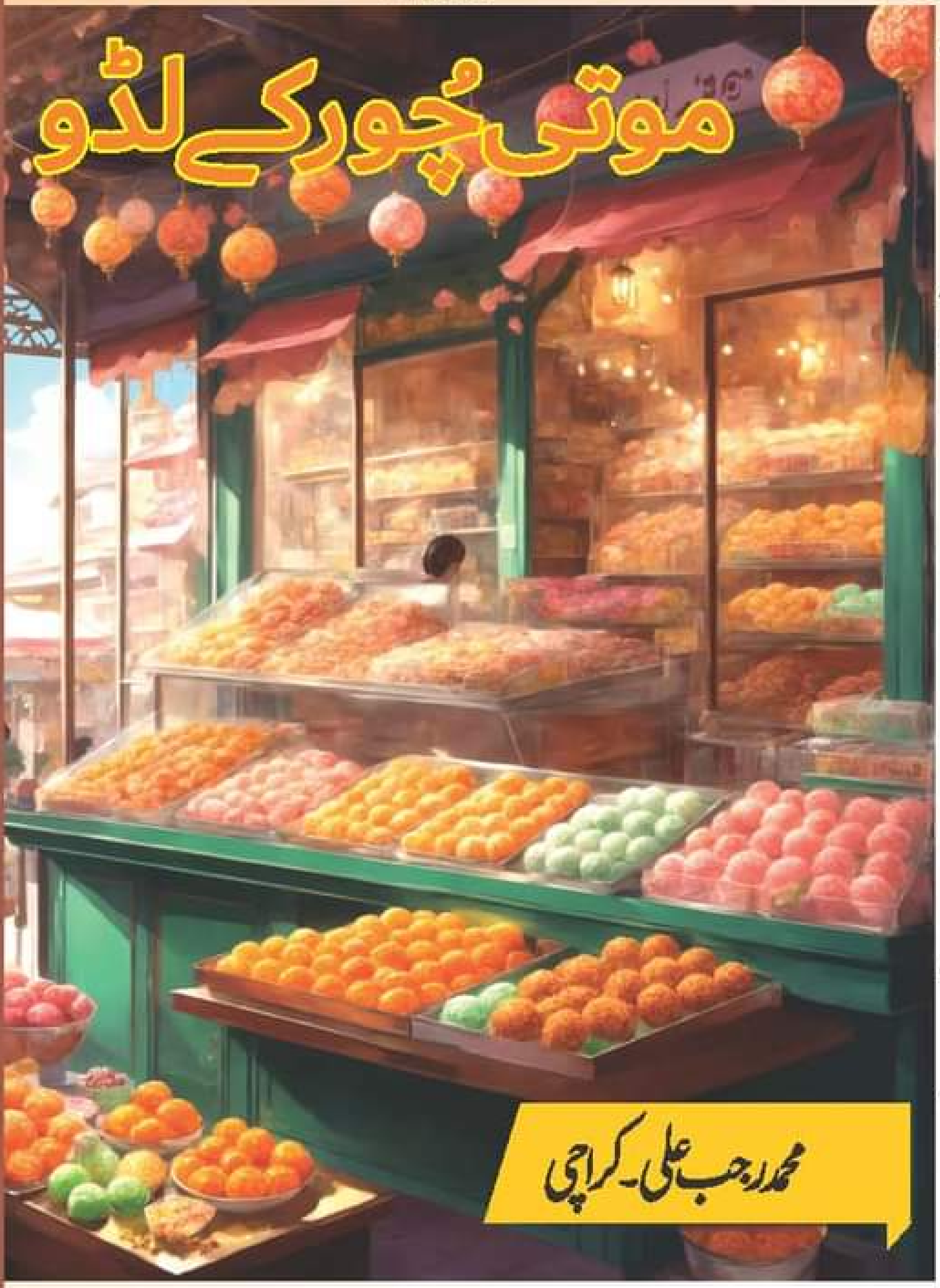

میں جیسے ہی حلوائی کی دکان میں داخل ہوا، حسبِ معمول مٹھائی کی میٹھی میٹھی خوشبو نے میرا استقبال کیا۔

شیشے کے اندر انواع واقسام کی مٹھائیاں بڑی ترتیب اور سلیقہ مندی سے سجا کر رکھی گئی تھیں۔ خریداروں کی آمدورفت جاری تھی۔

”بھائی! ایک کلو سوہن حلوہ دینا!“ میں نے سلامِ مسنون کے بعد کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ایک بہت صحت مند سے بھائی جی سے کہا۔

اس نے لڑکے کو بلایا، اور آرڈر اس کے ذمے لگا دیا۔

میں انتظار کرنے لگا۔ انتظار کے دوران میں دلچسپی سے اردگرد کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ چار لڑکے بڑی تیزی سے آرڈر بک کر رہے تھے۔ جب مٹھائی پیک ہو جاتی تو ایک لڑکا مٹھائی کا وہ شاپر لے کے آتا اور کاؤنٹر پر موٹے بھائی کے سامنے رکھ دیتا۔ موٹے بھائی جی آواز لگاتے اور گاہک آگے بڑھ کے اپنا آرڈر وصول کر لیتا۔

میں دلچسپی سے صورت حال کا مشاہدہ کر رہا تھا۔

لڑکے نے ایک شاپر کاؤنٹر پر رکھا۔ میں نے دیکھا، اس میں ’پیلے رنگ کے لڈو‘ سے تھے۔ دیکھنے میں یہ لڈو بہت اچھے معلوم ہو رہے تھے، لیکن اس طرح کے لڈو پہلے میں نے کھائے تھے نہ مجھے ان کا نام معلوم تھا۔

کچھ دیر کے بعد لڑکے نے ایک اور شاپر کاؤنٹر پر رکھا، اس میں بھی وہی ’پیلے رنگ کے لڈو‘ تھے۔ میں نے نظر گھما کر دیکھا تو شیشے کے اندر تین بڑے بڑے ٹرے ’پیلے رنگ کے لڈو‘ کے بھرے ہوئے رکھے تھے۔ بعد ازاں تین چار آرڈر یکے بعد دیگرے اسی لڈو کے دیکھ کر میرے شوق نے انگڑائی لی کہ ان کے بارے میں ’موٹے بھائی جی‘ سے معلوم کرنا چاہیے۔

”بھائی! یہ پیلے رنگ کے لڈو بہت زیادہ بک رہے ہیں......!“

میں نے بات شروع کی۔

”ابھی تو کچھ بھی نہیں......“ موٹے بھائی جی کی آواز کانوں کے پردے پھاڑنے کے لیے کافی تھی۔ ”ابھی ایک گھنٹے تک گاہکوں کا رش بڑھے گا تو ان کا صفایا ہو جائے گا۔“

”ایسا کیوں؟“ میں نے پوچھا۔

”یہ لڈو آج تازہ بنائے ہیں، اور تازہ مٹھائی تو آناً فاناً بک جاتی ہے۔“

وہ فخر سے بتا رہا تھا۔

”ویسے بھی بھائی کی مٹھائی کے معیار کا شہر بھر میں چرچا ہے۔“

”اِس لڈو کا نام کیا ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”قاری صاب! یہ موتی چور ہے۔“

اس نے حیرت سے بتایا۔ شاید اسے میری لاعلمی پر تعجب ہوا تھا۔

”چلیں! ایک دانہ مجھے بھی پیک کر دیجیے۔“ میں نے کہا۔

”آپ کیوں لینا چاہتے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی۔

اب حیرت زدہ ہونے کی باری میری تھی۔ ایک بار تو جی میں آیا کہہ دوں کہ جناب! آپ آم کھائیں، پیڑ نہ گنیں، مگر پھر میں نے کہا:

”میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ لوگ اسے اتنا زیادہ کیوں خرید رہے ہیں؟“

”مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ آپ کیوں خریدنا چاہتے ہیں؟ اس لیے کہ میرا تو یہ کاروبار ہے۔“ موٹے بھائی جی نے مسکراتے ہوئے بات شروع کی۔ ”مگر قاری صاب! کوئی کام ہمیں محض اس لیے نہیں کرنا چاہیے کہ سب لوگ وہ کام کر رہے ہیں۔ اگر سب لوگ کنویں میں چھلانگ لگانے پر اتفاق کر لیں تو کیا اُن کی دیکھا دیکھی ہم بھی یہی کام شروع کر دیں گے؟“

موٹے بھائی جی نے یقیناً بہت گہری اور منطقی بات کی تھی۔ اُس کے یہ جملے میرے دل میں گھر کر گئے، اور بے ساختہ میرے منہ سے نکلا:

”آپ نے سچ فرمایا...... یقیناً کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا یہ معیار ہرگز نہیں ہو سکتا کہ دوسرے لوگ ایسا کر رہے ہیں۔“

”لیجیے! آپ کا ایک کلو سوہن حلوہ حاضر ہے۔“

میں سوچ میں گم تھا کہ موٹے بھائی جی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

اب وہ ایک دم فلسفی سے خالص دکان دار بن گیا تھا۔

”جی شکریہ!“ میں بھی موتی چور سے دستبردار ہو چکا تھا، لہٰذا سوہن حلوے کی قیمت ادا کر کے میں باہر کی طرف چل دیا۔

”کسی کام کے اچھا یا برا ہونے کا یہ پیمانہ بالکل غلط ہے کہ دوسرے لوگ کیا کر رہے ہیں؟“ میں سوچتا چلا جا رہا تھا۔

آپ بھی موتی چور سے صرف نظر کر کے سوچیں گے تو یقیناً اسی نتیجے پر پہنچیں گے۔

☆☆☆

اُن کے کوچے میں

12

محمد فضیل فاروق

مدینہ طیبہ میں تین مقامات ایسے ہیں جن کے بارے میں ہمیں صراحت کے ساتھ ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہتمام سے وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک جنت البقیع، دوسری مسجد قبا اور تیسری شہدائے احد کے پاس!

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ہفتے کو مسجد قبا تشریف لاتے، پیدل بھی اور سواری پر بھی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص اپنے گھر میں وضو کرے، پھر مسجد قبا میں آئے اور اس میں ایک نماز پڑھے، اسے ایک عمرے کا ثواب ملے گا۔“

لہٰذا ایک دن، ہم سب فجر کی نماز کے بعد مسجد قبا پیدل نکل کھڑے ہوئے۔

آج کل تو وہاں ایک راستہ خاص پیدل جانے والوں کے لیے بنایا گیا ہے جو مسجد نبوی سے مسجد قبا تک جاتا ہے، اور اتنا خوبصورت رستہ ہے کہ دل خوش ہو جائے۔

عرب تو وہاں اپنے بچوں کو اسٹرولر میں ڈال کر ایسے مزے سے باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے جیسے یہ اُن کے روز کی مارننگ واک ہو۔ واللہ! ان عربیوں پر رشک آتا ہے۔ دونوں اطراف میں وقفے وقفے سے مختلف چھوٹی چھوٹی دکانیں آتیں جو بہت خوبصورت بنی ہوئی تھیں۔ کشادہ رستہ، سائڈ دیواروں پر مختلف طرح کی خوبصورت پینٹنگز اور اسکیچز بنے تھے، جس میں سے کچھ میں پرانے مدینہ منورہ کے مناظر تھے۔ رستے میں ہر تھوڑی دیر بعد دونوں اطراف میں کھجور کے گھنے باغات آتے، اُن میں چہچہاتے پرندے دکھائی دیتے۔ صبح کا سورج آہستہ آہستہ سر ابھارتا اہل مدینہ کو مسکرا کر سلام کر رہا تھا۔

عرب سے سنا ہے کہ یہ وہی رستہ ہے، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔ آپ ہجرت کر کے پہلے قبا پہنچے تھے، پھر وہاں سے جب یہاں تشریف لائے تو یہی رستہ اختیار فرمایا۔

یہی بات ذہن میں تھی کہ دماغ میں گھنٹی بجی۔ اگر واقعی ایسا ہی ہے تو یقیناً اسی رستے پر مسجد جمعہ واقع ہونی چاہیے، کیوں کہ وہاں سے آتے ہوئے راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ جمعہ ادا فرمائی تھی، اور وہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نشانی کے طور پر مسجد جمعہ تعمیر کروادی تھی جو آج تک قائم ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، مسجد قبا کے جب بالکل قریب پہنچ گئے تو راستے میں ہی بائیں جانب سڑک کنارے پر مسجد نمرہ واقع تھی۔ اس سے بھی بظاہر اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ مدینہ منورہ آئے اور اس خوبصورت راستے پر چل کر قبا نہ گئے تو آپ نے کیا ہی کیا!؟

یہ ایک گھنٹے کا پیدل راستہ ہے۔ وہاں ہم نے نوافل ادا کیے، تھوڑی دیر بیٹھے دعائیں وغیرہ مانگیں اور پھر واپس ٹیکسی میں بیٹھ کر ہوٹل آگئے۔

☆......☆

فجر کی نماز ہو گئی تھی مگر اندھیرا ابھی تک ڈیرے ڈالے بیٹھا تھا۔

تھوڑی دیر گزری تو دور افق پر صبح کی سفیدی رات کے اختتام کی نوید سنانے آن پہنچی۔ دن بھر ساری دنیا کے ممالک کی سیر کرنے کے بعد بالآخر سورج نے دوبارہ احد پہاڑ کے عقب سے جھانک کر مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور پھر دھیرے دھیرے بلند ہوتا چلا گیا۔

میں سوچ رہا تھا کہ اِس سورج نے اس شہر میں کیا کچھ نہیں دیکھا ہوگا؟ صدیاں کاٹی ہیں اس جہاں دیدہ مخلوق نے، پہلے اوس اور خزرج کی حالت جنگ میں پیدا ہونے والی کئی کئی نسلیں، پھر چودھویں کے اس زمینی چاند کا طلوع ہونا، جس کی آمد پر یہاں کی بچیوں نے کچھ یوں گا کر جشن منایا تھا:

طلع البدر علینا
من ثنیات الوداع

پھر یہی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے قبیلوں کا ایک دوسرے پر جان و مال چھڑک دینے والا بن جانا۔

ایک دن سورج نے اسی چاند کو اپنے ہمراہ تین سو تیرہ ستاروں کے ساتھ بدر کے مقام کی طرف بڑھتے دیکھا ہوگا، وہاں پے بہ پے فرشتے اترتے دیکھے ہوں گے، کامیابی و کامرانی کے ساتھ لوٹتے دیکھا ہوگا، پھر احد کے دامن میں اس لشکر کو دوبارہ مشرکین سے برسرِ پیکار دیکھا ہوگا، وہاں اس چودھویں کے چاند کو زخمی ہوتے دیکھ کر تو اس کی بھی بے اختیار سسکاری نکل گئی ہوگی۔

یہ زخم کس کے لیے کھائے انھوں نے؟ خود تو بخشے بخشائے تھے!

یقیناً اس دین، اس امت کے لیے۔

پھر سورج نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھے اس شہر کے گرد عجمی طریقے سے گہری اور طویل خندقیں کھودتے دیکھا ہوگا اور بالآخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ الفاظ اس کے کان میں شیرینی گھول گئے ہوں گے: ”الآن نغزوهم ولا یغزو علینا۔“

”اب ہم ہی ان پر چڑھائی کریں، یہ خود کبھی ہم پر حملے کی جرات نہیں کر سکیں گے۔“

اس کے بعد ایک دن جب حضرت خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مکہ سے اسلام قبول کر کے مدینہ پہنچے تو سورج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشی سے یہ فرماتے سنا ہوگا:

”رمتکم مکة أفلاذ کبدها...!“

”مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمھاری طرف بھیج دیے!“

پھر جب مؤتہ میں خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کے تین کمانڈر شہید ہونے کے بعد کمان سنبھال کر پے در پے نو تلواریں توڑیں تو اس سورج نے منبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑے ہو کر خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیف من

سیوف اللہ (اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار) کہتے سنا ہوگا۔

اسی روشن آفتاب نے یہاں مسجد نبوی کے گرد ان جاں نثار صحابہ کی زندگیاں دیکھی ہوں گی، ان کی قربانیاں دیکھی ہوں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان سے محبت اور ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت دیکھی ہوگی، ان کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کما حقہ ادب کرتے دیکھا ہوگا، پھر آپ کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہیں سے بارہ لشکر روانہ کرتے اور تمام اندرونی خلفشار کا سر کچلتے دیکھا ہوگا!

اس نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہاں سے دنیا میں تاریخ کا سب سے بہترین انصاف قائم کرتے دیکھا ہوگا، دنیا بھر کے فتح ہونے کی خبریں مسلمانوں کے ہیڈ کوارٹر میں امیر المومنین تک آتے دیکھی ہوں گی، جھاڑو لے کر آگ کو مدینہ سے باہر بھگاتے، لاٹھی مار کر زلزلے سے ہلتی زمین رام کرتے، اور خط بھیج کر دریا کو جاری کرتے دیکھا ہوگا۔ ایک دن منبر پر بیٹھے ہزاروں میل دور سے اپنے سپہ سالار حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دشمن سے خبردار کرتے اور پہاڑ کی اوٹ میں ہوجانے کی حیرت انگیز ہدایات دیتے دیکھا ہوگا!

اس عجیب حکمران کی حکمرانی میں یہ سورج کیسا سرشار رہا ہوگا جس کی حکمرانی ہواؤں پر بھی تھی، زمین ودریاؤں پر بھی تھی۔

جامع القرآن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روضہ رسول کے بالکل سامنے ان کے گھر میں قرآن کی تلاوت کے دوران شہید ہوکر قرآن مجید پر خون کی بوندیں پڑتی دیکھ کر تو یہ بھی خون کے آنسو رویا ہوگا اور کیوں نہ روتا، ایسے جا رہے تھے کہ مدینہ منورہ میں ان کا پانی بند کردیا گیا تھا، وہاں جہاں کبھی ان کی وجہ سے مدینہ میں پانی فراہم ہوا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس شہر مقدس کے تقدس کے پیش نظر بوجھل دل کے ساتھ مدینہ منورہ سے کوچ کرتے دیکھ کر تو اس کا دل بھی بوجھل ہوا ہوگا! حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بستی بستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار کے تعاقب میں ادھر ادھر گھومتے پھرتے دیکھا ہوگا، بعد میں عمر بن عبدالعزیز کو یہاں مقدس مقامات پر دھڑا دھڑ مسجدیں تعمیر کرکے تاریخ کو بعد والوں کے لیے محفوظ کرتے دیکھا ہوگا، عثمانیوں کو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آثار نبویہ پر دیگر نشانیاں لگا کر تعمیرات کا عمدہ شاہکار کھاتے دیکھا ہوگا اور پھر آل سعود کو شرک وبدعت کے ڈر سے وہی نشانات حذف کرتے دیکھا ہوگا۔

زمین والے تو روز رات کو آسمان پر چاند تارے دیکھ لیتے ہیں، مگر یہی تو وہ ایک واحد بستی تھی جہاں آسمان والے زمین پر چاند ستارے دیکھا کرتے تھے۔

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"ایک بار میں چاندنی رات کو باہر نکلا، چودھویں کا چاند تھا، ابھی میں اس چاند کو دیکھ ہی رہا تھا کہ کتنا حیرت انگیز ہے کہ میں نے سامنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھا۔ میں ٹکٹکی باندھ کر کبھی چاند کو تو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا پھر چاند کو دیکھتا...... اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ چاند سے زیادہ خوبصورت تھا۔"

آہ کیا منظر ہوگا جب آسمان کا چاند بھی زمین کے چاند کو حیرت ورشک سے گھورتا ہوگا۔ سیدنا کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تبسم فرماتے تو چمکتے ہوئے چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتے۔"

ایک اور صحابی فرماتے ہیں: "کیا تم لوگ جانتے ہو، ہمارا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کیسا ہوتا تھا......!؟"

لوگوں نے عرض کیا: "نہیں!"

فرمایا: "جب وہ تشریف لایا کرتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ابتدائے صبح کا سورج ہم پر طلوع ہوگیا ہو......!"

آہ سبحان اللہ......!

کیا ان سورج چاند ستاروں کو زمانے کے گزرنے کے ساتھ یہاں مدینہ میں لوگوں کے رویوں کا فرق محسوس ہوتا ہوگا!؟

کیا صحابہ وتابعین نے اس شہر کے تقدس اور ادب واحترام کا جیسا خیال رکھا، آج کے لوگوں کو اس کے قریب قریب بھی رکھ پاتے ہوں گے!؟ (جاری ہے)

☆☆☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆ دو شماروں ۱۰۶۷ اور ۱۰۶۸ میں 'آمنے سامنے' غائب تھا، ہمیں شمارے پھیکے پھیکے سے لگے، اگرچہ ان کی کچھ تحریروں نے اس پھیکے پن کو دور کردیا۔ مثلاً شمارہ ۱۰۶۷ کی سرورق تحریر 'بہانہ' اور 'خوش بخت' کہانی نے دل موہ لیا۔ اس شمارے کی دیگر چار مختصر تحریروں کا بھی منفرد انداز تھا۔ شمارہ ۱۰۶۸ کی تو سرورق دونوں تحریریں 'ایک لفظ کی غلطی' اور 'اسٹیشن بدل گیا' نے کمال کردکھایا۔ ان دونوں شماروں کی دستک منفرد تھیں، جبکہ اگلے دونوں شماروں ۱۰۶۹ اور ۱۰۷۰ دونوں کی دستک ایک ہی طرز کی تھیں۔ 'ہاشم کو ملا خزانہ' ایک سبق آموز کہانی تھی۔ 'چاند کے بارے میں معلومات' پڑھ کر بہت فائدہ ہوا۔ 'ماڈرن بکرا' ایک ماڈرن سی کہانی تھی۔ 'محو پتنگ' تحریر پڑھ کر ہمیں اپنے پتنگ بازی کے شوقین مسلمان بھائیوں پر صد افسوس ہوا۔ 'بچوں کا اسلام کی بیٹھک' کی واپسی پر مرحبا۔ 'تقدیر قید' ہمارے ساتھ ساتھ ہماری زوجہ محترمہ کو بھی بہت پسند آئی اور ہر آنے والی قسط کو بہت دلچسپی سے پڑھا۔ (مولانا محمد اشرف۔ حاصل پور)

ج: پہلے آپ قسط وار تحریریں نہیں پڑھا کرتے تھے، شکر "قید تقدیر" نے عادت بدل دی۔

☆ شمارہ ۱۰۸۷ پڑھا۔ اجلا اجلا اور سلجھا ہوا لگا۔ چند ہفتے پہلے خبر پڑھی تھی کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں، رسالے کی زیب وزینت سے اندازہ لگایا کہ آپ ٹھیک ہوگئے ہیں۔ دستک میں موجود آپ کی چاہت پڑھ کر اندازہ ہوا کہ یہ تو ہم سب کی چاہت ہے کہ ہم نت نئے موضوع پر دلچسپ تحریر پڑھیں۔ 'ہمت کے پہاڑ' سلسلے کا شدت سے انتظار ہے۔ 'سادگی اے' تحریر اچھی لگی۔ 'پھول کا راز' بھی پسند آئی مگر پڑھی پڑھی سی لگ رہی تھی۔ 'ان کے کوچے میں' سفرنامہ حرمین کا پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ بنا سرپیر کے خط نے بہت ہنسایا۔ شمارہ ۱۰۸۸ کی دستک 'جاننے کی جستجو' پڑھی۔ میری رائے ہے کہ اس کا نام بدل کر معلومات عامہ رکھ دیا جائے۔ 'عجیب خواہش، ہوا کیوں پریشان ہے' پسند آئی۔ ایک سوال یہ ہے کہ رسالے میں کبھی کبھار کوئی کہانی دوبارہ شائع ہوجاتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ (عمارہ مشتاق۔ پھول نگر)

ج: اس کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے ہمارا بشر ہونا، یعنی بشری غلطی۔

☆ میں پاکستان آ گئی ہوں۔ خالہ مجھے کال پر 'بچوں کا اسلام' سے کہانیاں پڑھ کر سناتی رہی تھیں۔ مجھے سب پسند آئیں۔ بہت عرصے بعد اردو لکھ رہی ہوں، مشکل ہو رہی ہے۔
(زینب بی بی۔ ٹیکسلا)

ج: بہت اچھی بات ہے کہ آپ پاکستان لوٹ آئی ہیں!

☆ شمارہ ۱۰۸۹ کے سرورق کو دیکھ کر اندازہ لگایا کہ بچوں کا اسلام کے آرٹسٹ کو سرورق میں سفید رنگ بہت اچھا لگتا ہے۔ دستک میں آپ نے ایک بہت اچھی بات کہی۔ اکثر بڑوں یا بزرگوں کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ بچے ان کے پاس نہیں بیٹھتے، سو اس کی وجہ محبت میں کمی نہیں ہے۔ اثر جون پوری کا افریقہ سے آئے آم کا شکریہ نظم کی صورت میں ہمیں بہت پسند آیا۔ محمد بلال خالد کی تحریر 'تعلقات کی مار' شمارے کی بہترین کہانی تھی۔ 'میر حجاز' اور 'ان کے کوچے میں' دونوں سلسلے ہر بار ہماری امیدوں سے بڑھ کر ہمیں مزہ دیتے ہیں۔ (محمد وقاص۔ جھنگ صدر)

ج: اللہ کرے، تمام سلسلے ہمیشہ سب کی توقع اور امیدوں سے بڑھ کر رہیں۔

☆ شمارہ ۱۰۸۵ کا سرورق جاذبِ نظر تو تھا ہی لیکن اندر کی کہانی نے واقعی اللہ کے دوستوں سے ملاقات کی روداد سے لطف اندوز کیا۔ دستک 'نوابی اور خرابی' نے اچھا سبق دیا۔ 'مختصر پر اثر' اور 'قرآن کریم سے متعلق معلومات' بھی خوب تر رہے۔ خود کو مالک سمجھ بیٹھا تھا، مسکراتے لمحے، ادبی معلومات، سب کی اپنی بولی، میر حجاز، جواہرات سے قیمتی، حجا اور چور سب ہی اپنی جگہ مزیدار تھے۔ 'آسان حل' کے ابتدا سے اندازہ ہو چکا تھا کہ چاند میاں چچا جی کو دولھا بننے ہی کا مشورہ دیں گے، ویسے چاند میاں کی باتوں نے بہت مزہ دیا۔ 'اللہ میاں آپ کتنے اچھے ہیں!' بے شک ولا ریب سبحان اللہ۔ "بابائے الجبرا" ہمیں تو میتھس سے الرجی ہے۔ 'نافع بنا' دعا کہانی تھی اور تھی مزیدار...... 'حکمت' ہر جگہ اپنا فلسفہ جھاڑنا اچھا نہیں ہوتا۔ دستک 'مئی میں سردی' کی بات اپنی جگہ ٹھیک مگر ہمیں تو مئی میں سردی بھلی لگی۔ گرمی سے سخت کوفت ہوتی ہے۔
(ع، ز۔ ام رمیصاء۔ پشاور)

ج: دستک میں انفرادی پسند ناپسند پر بات نہیں ہوئی، وہ تو بھی گرم ممالک میں رہنے والوں کو ٹھنڈا موسم پسند ہوتا ہے۔ بات اللہ میاں کے پورے نظام کی ہے۔ تمام موسموں کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں اور سبھی ضروری ہیں۔

☆ مدیر چاچو! یہ میرا پہلا خط ہے، میری عمر آٹھ سال ہے۔ مجھے بچوں کا اسلام میں بلی والی کہانی اچھی لگی ہے۔ اُس میں ازکی آپی نے بچوں کو سمجھایا کہ بلی کو نہیں مارتے۔ مجھے ایسی کہانیاں اچھی لگتی ہیں۔ ایسی کہانیاں اور بھی بھیجیں۔ میرا خط ضرور شائع کریں، آپ کا شکریہ۔
(محمد حمدان بن شمس الدین۔ ملتان)

ج: خط شائع کر دیا۔ آپ بھی ایسے خط مزید "بھیجیں"۔ آپ کا شکریہ!

☆ چچا جان! شمارہ ۱۰۸۷ میں سب سے پہلے قرآن و حدیث پڑھ کر دل کو منور کیا۔ اس کے بعد دستک پڑھی۔ پڑھ کر دل سے ایک ٹھنڈی آہ نکل گئی کہ کاش میں بھی الف نمبر خرید سکتی۔ 'ساڈا کی اے؟' بہت اچھی لگی۔ واقعی حلال کھانے والے ہمیشہ سکون سے رہتے ہیں۔ 'خستہ حال گدھا' واقعی خوش نصیب تھا۔ نیوز چینل میں اہم اعلان پڑھ کر دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ 'کیوں، کیا، کیسے، کہاں؟' یہ ہم نے اپنی فزکس کی کتاب میں پڑھا تھا۔ 'آپ کتنے پانی میں ہیں؟' میں میرے چار جواب درست تھے۔ 'ان کے کوچے میں' کیا یہ نیا ناولٹ ہے؟
(شہزین۔ ڈسکہ)

ج: نہیں یہ سفرنامہ ہے۔ اور ٹھنڈی آہ کیوں نکل گئی؟ یہ آفر انھی قارئین کے لیے تو تھی جو خرید نہیں سکتے تھے۔ آپ ابھی بھی اس نمبر (03213557807) سو روپے ڈاک خرچ بھیج کر الف نمبر منگوا سکتی ہیں۔

☆ دونوں شماروں کے سرورق پہلے بھی ماشاء اللہ بہت اچھے تھے، اب تو بہت ہی دل کش مناظر اور پھولوں کی تصویریں آ رہی ہیں، جنھیں دیکھ کر دل خوش اور ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔ شاعری کا انتخاب جو شائع ہو رہا ہے، ماشاء اللہ بہترین ہے۔ 'بچو! تمھاری عیدی کیسے بڑھائی جائے؟' شاندار نظم نے ماضی کی بہت سی یادیں تازہ کیں۔ رشید احمد منیب صاحب وقفے کے بعد بہت اچھی تحریر کے ساتھ تشریف لائے۔ 'ساڈا کی اے؟' سچ ہے حلال روزی کمانے والوں کو مسکرانا ہی چاہیے۔ محمد فضیل فاروق کا حرمین کا سفرنامہ 'ان کے کوچے میں' بہت اچھا چل رہا ہے ماشاء اللہ۔ حافظ عبدالرزاق صاحب ماشاء اللہ سدا بہار قلم و طبیعت کے مالک ہیں۔ ان کی تحریریں بچوں کا اسلام کی زینت بڑھاتی رہتی ہیں۔ 'آپ کتنے پانی میں ہیں؟' کے متعلق آپ نے پوچھا اس حوالے سے ہمارے ہاں یہ صورت حال ہے کہ میں پہلے تو ان سوالات کا جواب سوچتا ہوں، کوئی جواب معلوم نہ ہو تو ایک دو ساتھیوں سے پوچھتا ہوں، ورنہ اگلے ہفتے جوابات کا انتظار کرتا ہوں۔ ایک ساتھی تحسین بھائی بہت اہتمام سے سارے جوابات لکھتے ہیں، مجھ سے بھی پوچھتے ہیں اور آنے والے شماروں میں بھی اہتمام سے تلاش کرتے ہیں۔ اب یہاں معلومات حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ تو نہیں ہے، جو میسر ہے اسی کو موثر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ (ابو الحسن۔ سینٹرل جیل، کراچی)

ج: بہت خوشی ہوئی یہ جان کر کہ جو میسر ہے، آپ اسے موثر بنانے کی کوشش کرتے ہیں! کاش حکمت کی یہ بات ہر فرد کو سمجھ میں آ جائے۔

☆ آج اتوار بمطابق ۲ جولائی ۲۰۲۳ء کا دن ہے۔ ہمارے ایک عزیز ہسپتال میں داخل تھے اور میں ان کے پاس تھا۔ آج صبح ان کی چائے لانے باہر گیا تو میں نے سڑک کے کنارے اخبار کا اسٹال پر 'بچوں کا اسلام' دیکھا تو فوراً ہی خرید لیا۔ ویسے گھر پر بھی رسالہ آتا ہے لیکن بچوں کا رسالہ دیکھتے ہی ہمارے صبر کا پیمانہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس اتوار کے رسالے پر کتابی میلہ! وہ بھی ڈسکاؤنٹ کے ساتھ دیکھا تو یقین جانیے اتنی خوشی ہوئی بس کہ کیا بتائیں۔ کیونکہ ہم گاؤں سے ملتان 5 ماہ پہلے ہی شفٹ ہوئے تھے۔ اس وجہ سے میرے اکثر ناول اور کتابیں گم ہو گئی تھی۔
(محمد نعمان ناصر۔ ملتان)

ج: ہمیں بھی یہ جان کر خوشی ہوئی کہ بچوں کا اسلام دیکھ کر آپ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ ایسی اچھی عادتوں اور باتوں میں صبر کرنا بھی نہیں چاہیے۔

☆ شمارہ ۱۰۸۸ میں سب سے پہلے آمنے سامنے کی محفل میں پہنچے اور اپنا خط نہ پا کر مایوس نہیں ہوئے بلکہ دل کو تسلی دی کہ کچھ وقت تو لگتا ہی ہے۔ اس کے بعد دستک پڑھی۔ آپ کی بات واقعی قابلِ فکر ہے، ویسے ہم تو اپنی امی جان سے پوچھ پوچھ کر ہی سارے سوالات حل کر لیتے ہیں۔ 'تندرستی کا راز' میں ہم ساری باتوں پر عمل کرتے ہیں۔ (سوائے غصہ نہ کرنے کے لیکن اس کو بھی قابو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں)۔ 'نیوز چینل' دھک دھک کرتے دل کے ساتھ پڑھا اور اہم اعلان پڑھ کر مسکرا اٹھے۔ 'ہوا کیوں پریشان تھی؟' میں پتا چلا کہ ہوا کیا کیا کام کرتی ہے۔ 'تعلقات کی مار' بس ٹھیک ہی تھی۔ 'میں کل سے مسجد نہیں آؤں گا' بہت اچھی لگی۔ 'میر حجاز' بہت اچھا جا رہا ہے۔ 'غیرتِ مسلم زندہ ہے' زبردست تھی۔ 'جواہرات سے قیمتی' یہ سلسلہ مجھے بہت پسند ہے۔ (شہزین عبدالستار۔ ڈسکہ)

ج: قیمتی جواہرات سبھی کو پسند ہوتے ہیں۔ ایک قیمتی موتی آج یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ غصہ آنا کوئی بری بات نہیں ہے، لیکن بے قابو غصہ بری بات ہے۔ یہ خود اپنی صحت تباہ کر دیتا ہے۔

☆ مختصر پر اثر میں جھوٹ کا پہاڑ اچھا لگا۔ 'میں کل سے مسجد نہیں آؤں گا' تحریر چھوٹی تھی لیکن سبق آموز تھی۔ محمد فضیل فاروق اپنے قلم کے ذریعے 'ان کے کوچے میں' بڑے پیارے انداز میں قارئین کے دلوں کو منور کر رہے تھے۔ 'میر حجاز' کی قسط زبردست تھی۔ آمنے سامنے میں اپنا اور اپنی بیٹی منیبہ جاوید کے خط نہ پا کر افسردہ ہو گیا، البتہ حفصہ اور بشریٰ ماہم (جھنگ) بچیوں کے خطوط دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ (حاجی جاوید ساقی ولد حاجی محمد امیر۔ ضلع جھنگ)

ج: ایک تو آپ افسردہ بہت جلدی ہو جاتے ہیں۔ اکثر خطوط میں یہ بات ہوتی ہے، جاوید بھائی پر امید رہا کیجیے۔ اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں آپ کو خوش رکھے، آمین!

اچھی خبریں

ایک چھے سال کی یتیم بچی اپنے بھائی کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ دونوں بھاگتے ہوئے بیرونی دروازے سے باہر نکلنے لگے تو بچی جو آگے تھی، ناگاہ دروازے کی چوکھٹ سے ٹکرا کر گر گئی۔

پیچھے سے بھائی بھاگتا ہوا آ رہا تھا وہ اُس بچی پر گرا۔

چیخ کی آواز سن کر ماں نے آ کر دیکھا تو پتا چلا بچی کی بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔

ماں بہت مشکل سے بچی کو سول ہسپتال (جھنگ) لے کر پہنچی۔ ڈاکٹروں نے چیک کر کے بتایا کہ آپریشن ہوگا اور کم از کم ساٹھ ستر ہزار کا خرچہ ہے۔

اب ماں بے چاری رونے لگ گئی کہ میں اتنا پیسہ کہاں سے لاؤں؟

کسی نے بتایا کہ اس طرح کا آپریشن جو ڈاکٹر کرتا ہے وہ دوسرے شہر سے آتا ہے اور آج کل آیا ہوا ہے لہٰذا کہیں نہ کہیں سے پیسوں کا بندوبست کر لو تو آپریشن ہو جائے گا ورنہ بعد میں اور مشکل ہو جائے گی!

لیکن وہ بیوہ بھلا اتنی رقم کا انتظام کہاں سے کرتی آخر وہ ڈاکٹر جب راؤنڈ پر آیا اور اس بچی کا پتا چلا تو اس کی ماں سے بات کی۔

اس نے روتے ہوئے بتایا کہ میں بیوہ ہوں، اتنے پیسوں کا انتظام نہیں کر سکتی۔

اس پر ڈاکٹر نے کہا: ”آپ کتنے دے سکتی ہیں؟“

ماں بولی: ”میں تو بس آٹھ دس ہزار کا ہی بندوبست کر سکتی ہوں۔“

ڈاکٹر نے اسی وقت ایک پرائیویٹ اسپتال کو فون کیا اور کہا:

”میں ایک مریض بھیج رہا ہوں، چھے سال کی یتیم بچی ہے، اُس کے بازو کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے، اسے ایڈمٹ کر لیں......اور آپریشن کی تیاری کریں، میں تھوڑی دیر تک پہنچ رہا ہوں۔ بچی کے پانچ دن کے ایڈمٹ اور دواؤں کے سب اخراجات میرے ذمے ہیں۔“ ماں یہ سنتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اور ڈاکٹر کو جھولی بھر بھر دعائیں دینے لگی۔

ڈاکٹر نے بچی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا ٹھیک ہو جائے گی آپ کی بچی ان شاء اللہ!“ مسیحائی کا یہ منظر دیکھ کر ماں کی تو جو حالت ہوئی سو ہوئی اردگرد کھڑے بہت سارے لوگوں کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں اور دل سے بے اختیار اس مسیحا کے لیے دعائیں نکلنے لگیں۔

(ام محمد۔ جھنگ)

☆☆☆

سیرت النبی ﷺ پر
اپنی نوعیت کا پہلا کام

6 تا 8 سالہ بچوں کے لیے

پراجیکٹ ڈائریکٹر: محمد عثمان عارف
مصنف و مؤلف: محمد عثمان طفیل

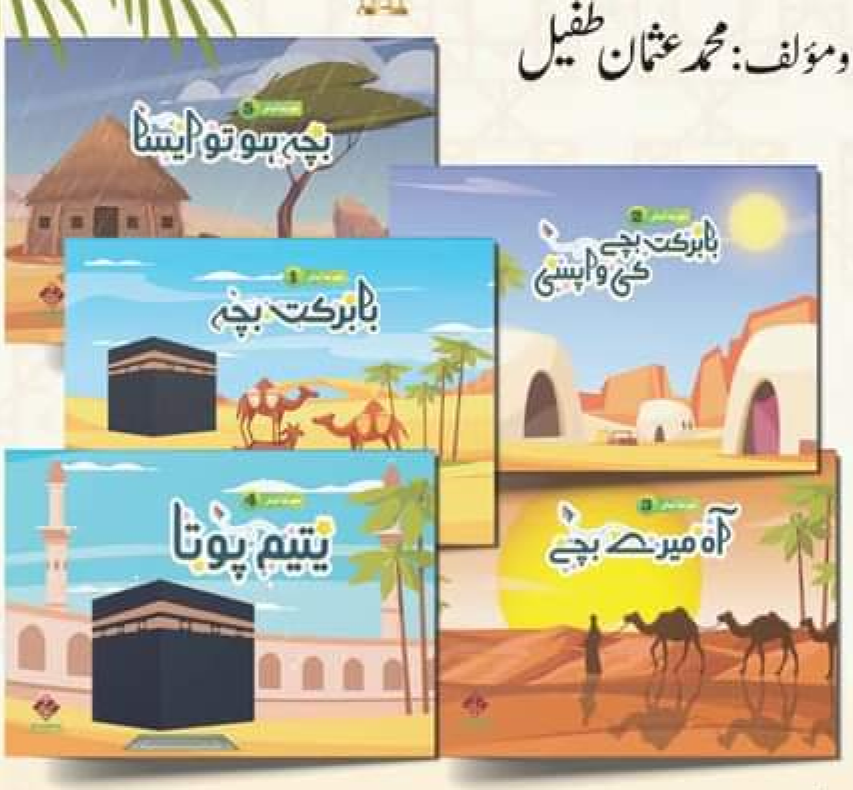

- پیدائش تا وفات نبی کریم ﷺ کی زندگی کا مکمل احاطہ
- بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق متن سازی
- کہانی ہی کہانی میں سیرت کا بیان
- تفہیم کی پختگی کے لیے مشقی سوالات و دلچسپ سرگرمیاں
- سیرت کے ذریعے مختلف موضوعات کی تدریس
- سیرت کے اہم واقعات پر شامل متعدد نظمیں
- رہنمائے و تربیتِ اساتذہ کی مستقل دستیابی
- دیدہ زیب سرورق و آرٹ پیپر پر چھپائی
- ہر کہانی پر بنائی گئی دلچسپ ویڈیوز تک رسائی

مکمل سیٹ کی قیمت: 1000 روپے | رعایتی قیمت: 750 روپے مع ڈیلیوری چارجز

کتاب منگوانے کے لیے اپنا نام، مکمل پتہ اور فون نمبر واٹس ایپ کریں 03240329778

1099
بچوں کا اسلام